قرآنِ مجید کے لاریب ہونے کی وجہ؟ اس لئے کہ یہ قولِ بلیغ ہے
اور یہ گھڑی/اختراع کی ہوئی حدیث نہیں بلکہ أَحۡسَنَ ٱلۡحَدِيثِ ہے

قول الفاظ پر مشتمل ایک بات ہے جسے انسان زبان سے ادا کرتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اُس نے اپنی جانب سے اسے ڈال دیا ہے، پھینک دیا ہے(یَــلْــفِــظُ)اور دوسرے انسانوں نے اپنی سماعتوں کے ذریعے اسے اٹھانا، لینا ہے اور سماعت کیلئے أُذُنٌ یعنی کان ہیں۔لسان/زبان (language) کے الفاظ کی حیثیت ایک ذریعے(medium) کی ہے جو دو ذہنوں کے درمیان رابطے (communication) کو قائم کرتا ہے۔ ایک شخص کا قول درحقیقت اس کے کسی تصور (حدیث) کو کسی دوسرے شخص کے ذہن میں منتقل کرنے کا ذریعہ ہے۔اور یہ تصور دوسرے کے ذہن میں تبھی منتقل ہوسکتا ہے اگر اُس شخص کے قول میں کوئی جھول، ٹیڑھ، خلاء نہ ہو۔

وَلۡيَقُولُواْ قَوۡلٗا سَدِيدًا

''اور بالکل سیدھی، صاف صاف بات کہا کرو'' (حوالہ النساء۔۹)

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَقُولُواْ قَوۡلٗا سَدِيدٗا ﴿٧٠﴾

''اے ایمان لانے والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی، صاف، واضح بات کہا کرو'' (الاحزاب۔۷۰)

''سَدِیدًا'' کا مادہ ''س د د'' ہے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے شگاف کو بھر دینا اور اُسے ہموار کر دینا ہیں۔ قولِ سدید ایسی متوازن بات ہے جس میں نہ افراط ہو نہ تفریط۔ سیدھی، صاف بات جس سے سننے والے کیلئے خلاء باقی نہ رہے۔کوئی بھی مبہم، پُر پیچ وخم، ذو معنی، ٹیڑھی میڑھی بات قول 'سَدِیدًا' کے زمرے میں نہیں آتی۔ قول ''سَدِیدًا'' ایسے الفاظ پر مشتمل ہوگا جن کے معنی اور مفہوم سننے والے کیلئے جانے پہچانے اور متعین یعنی معروف ہوں۔ ''سَدِیدًا'' کے درجے پر وہ قول فائز ہوگا جو قول معروف ہے

وَقُولُواْ لَهُمۡ قَوۡلٗا مَّعۡرُوفٗا

''اور ان کیلئے کہو قولِ معروف'' (حوالہ النساء۔۵،۸)

''مَعۡرُوفًا'' کا مادہ ''ع ر ف'' ہے اور یہ مہک (خوشبو) کو کہتے ہیں جسے پالیا جاتا ہے اور یہیں سے اس کے معنی متعارف ہونے، جان لینے (recognise) کے آتے ہیں۔ مہکتا ہوا قول کیا ہوتا ہے؟ بتایا

قَوۡلٞ مَّعۡرُوفٞ وَمَغۡفِرَةٌ خَيۡرٞ مِّن صَدَقَةٖ يَتۡبَعُهَآ أَذٗىۗ وَٱللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٞ ﴿٢٦٣﴾

''مہکتا ہوا ایک قول (معقول بات کہہ دینا) اور معاف کر دینا اُس صدقے سے بہتر ہے جس کے بعد خفیف سی بھی تکلیف دی جائے۔

اور اللہ بے نیاز اور بردبار ہے'' (البقرۃ۔۲۶۳)

قول میں '' تفسیر ''، یعنی اطلاع، معلومات، خبر (breaking news,information) ہوتی ہے۔ اور قول میں نصیحت، ہدایت، امر یعنی حکم بھی ہوتا ہے اور وعدہ بھی۔ ارشاد فرمایا

وَإِذْ قُلْنَا ٱدْخُلُوا۟ هَٰذِهِ ٱلْقَرْيَةَ فَكُلُوا۟ مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَٱدْخُلُوا۟ ٱلْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا۟ حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطَٰيَٰكُمْ ۚ وَسَنَزِيدُ ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿٥٨﴾ فَبَدَّلَ ٱلَّذِينَ ظَلَمُوا۟ قَوْلًا غَيْرَ ٱلَّذِى قِيلَ لَهُمْ فَأَنزَلْنَا عَلَى ٱلَّذِينَ ظَلَمُوا۟ رِجْزًا مِّنَ ٱلسَّمَآءِ بِمَا كَانُوا۟ يَفْسُقُونَ ﴿٥٩﴾

''اور (یاد کرو) جب ہم نے کہا '' اس بستی میں (سکونت کیلئے) داخل ہو جاؤ اور جہاں سے چاہو جی بھر کھاؤ اور دروازے میں سے فرمانبرداری کے احساس کے ساتھ 'معاف کر دے' کہتے ہوئے داخل ہونا۔ ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے اور محسنین کو زیادہ دیں گے۔ پھر ان میں سے ظالموں نے بتائے ہوئے قول کو دوسرے قول سے بدل ڈالا تو ہم نے ایسے ظالموں پر ان کی نافرمانی کی بناء پر آسمان سے عذاب نازل کیا'' (البقرۃ۔۵۸۔۵۹)

وَإِذْ قِيلَ لَهُمُ ٱسْكُنُوا۟ هَٰذِهِ ٱلْقَرْيَةَ وَكُلُوا۟ مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُولُوا۟ حِطَّةٌ وَٱدْخُلُوا۟ ٱلْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيٓـَٰٔتِكُمْ ۚ سَنَزِيدُ ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿١٦١﴾ فَبَدَّلَ ٱلَّذِينَ ظَلَمُوا۟ مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ ٱلَّذِى قِيلَ لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ ٱلسَّمَآءِ بِمَا كَانُوا۟ يَظْلِمُونَ ﴿١٦٢﴾

''اور جب انہیں کہا گیا کہ اس بستی میں جا رہو اور جہاں سے چاہو کھاؤ اور کہنا '' معاف کر دے '' اور دروازے میں پوری فرمانبرداری سے داخل ہونا، ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے اور محسنین کو زیادہ دیں گے ''۔ پھر ان میں جو ظالم تھے انہوں نے اُس قول کو جو انہیں بتایا گیا تھا مختلف قول سے بدل دیا تو ہم نے ان پر ان کے ظلم کے سبب آسمان سے عذاب بھیجا'' (الاعراف۔۱۶۱۔۱۶۲)

وَإِذَا وَقَعَ ٱلْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ ٱلْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ ٱلنَّاسَ كَانُوا۟ بِـَٔايَٰتِنَا لَا يُوقِنُونَ ﴿٨٢﴾

''اور جس وقت ان پر (وعدے کا وقت) وہ وعدہ (قول) ثابت ہو چکا ہوگا تو ہم ان کیلئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے کلام کرے گا کہ لوگ ہماری آیات (قرآنِ مجید+نشانیوں) پر یقین نہیں کرتے تھے'' (النمل۔۸۲)

فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ إِنَّا لَذَآئِقُونَ ﴿٣١﴾

''اب ہمارے رب کا قول (وعدہ) ہم پر سچ ثابت ہو گیا ہے۔ ہمیں ضرور عذاب چکھنا ہے'' (الصافات۔۳۱)

قول دوسرے انسانوں سے کہا جاتا ہے اور قول کا اپنا وزن اور اثر ہے جس سے مخاطب اثر انداز ہوتا ہے۔

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ ٱلَّذِينَ أَشْرَكُوٓا۟ أَذًى كَثِيرًا ۚ

''اورضرور ان لوگوں سے جنہیں تم سے قبل کتاب دی گئی تھی اور ان سے جو شرک کرتے ہیں، بہت دکھ، اذیت پہنچانے والی باتیں سنو گے۔

وَإِن تَصْبِرُوا۟ وَتَتَّقُوا۟ فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ ٱلْأُمُورِ ۝

اور اگر تم صبر کروگے اور تقویٰ اختیار کیے رکھو گے تو بیشک یہ پختہ ارادے (اور حوصلے) کے کام ہیں'' (آل عمران۔۱۸۶)

زبان (قول) سے لگائے گئے گھاؤ سہنا بڑے حوصلے کی بات ہے اس لئے قول کے اپنے آداب بتائے ہیں

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوٓا۟ إِلَّآ إِيَّاهُ وَبِٱلْوَٰلِدَيْنِ إِحْسَٰنًا ۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ ٱلْكِبَرَ

أَحَدُهُمَآ أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَآ أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ﴿٢٣﴾

''اور تیرے رب نے فیصلہ کردیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین سے عمدہ سلوک کرو۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں

تیرے پاس بڑی عمر کو پہنچ جائیں تو ان سے ''ہوں'' تک نہ کہہ اور نہ انہیں جھڑکو اور ان دونوں سے قول کریم کہو'' (الاسراء۔۲۳)

وَإِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ٱبْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّن رَّبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُل لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا ﴿٢٨﴾

''لیکن اگر اپنے رب کی رحمت کی تلاش میں جس کی تو امید کرتا ہو تجھے ان سے کنارہ کرنا پڑے تو بھی ان سے نرم بات کر'' (الاسراء۔۲۸)

موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے بات کرنے کا انداز بتایا

فَقُولَا لَهُۥ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُۥ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ﴿٤٤﴾

''اور اس سے نرم بات کرنا شاید کہ وہ نصیحت لے یا اندیشہ کرے'' (طٰہٰ۔۴۴)

قول دوسرے کے کانوں میں محض ارتعاش پیدا کرنے کیلئے نہیں بلکہ کسی تصور کو اُس کے ذہن، نفس تک پہنچانے، منتقل کرنے کا ذریعہ ہے۔

أُو۟لَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ يَعْلَمُ ٱللَّهُ مَا فِى قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُل لَّهُمْ

فِىٓ أَنفُسِهِمْ قَوْلًۢا بَلِيغًا ﴿٦٣﴾

''اللہ جانتا ہے جو کچھ ان (منافقین) کے دلوں میں ہے، ان (کی حرکتوں) سے اعراض برتو، اور انہیں سمجھاؤ

اور انہیں قول بلیغ کہو جو ان کے نفوس، ذہنوں میں پہنچ جائے، ان کیلئے کافی ہو جائے'' (النساء۔۶۳)

''بَلِيغًا'' کا مادہ ''ب ل غ'' ہے، جس کے معنی اس مقام تک پہنچ جانا، مقصد کے آخری سرے تک پہنچنا۔ ہر وہ شئے جس سے کسی مقصد

تک پہنچا جائے۔ ہر وہ شئے جو کسی مقصد تک پہنچانے کیلئے کافی ہو جائے۔ اس آیت کے بعد مادہ ''ب ل غ'' سورۃ المائدہ کی آیت

مبارکہ ٦٧ میں استعمال ہوا ہے جس نے واضح فرمایا کہ ''قول بلیغ'' کیا ہے۔

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ بَلِّغۡ مَآ أُنزِلَ إِلَيۡكَ مِن رَّبِّكَۖ وَإِن لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَهُۥۚ وَٱللَّهُ يَعۡصِمُكَ مِنَ ٱلنَّاسِۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهۡدِي ٱلۡقَوۡمَ ٱلۡكَـٰفِرِينَ ﴿٦٧﴾

''اے رسول (کریم ﷺ)! آپ کے رب کی طرف سے آپ پر جو (قرآنِ مجید) نازل کیا گیا ہے وہ آپ پہنچا دیں۔ کیونکہ اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو اس کی جانب سے تفویض کردہ فرائض رسالت کی تکمیل نہیں ہوگی۔ بیشک اللہ آپ کی حفاظت کرے گا لوگوں سے۔ بے شک اللہ دانستہ انکار کرنے والوں کو راہ نہیں دکھاتا'' (المائدہ۔٦٧)

''قول بلیغ'' اور اس کا مقصد یوں بتایا

هَـٰذَا بَلَـٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنذَرُواْ بِهِۦ وَلِيَعۡلَمُوٓاْ أَنَّمَا هُوَ إِلَـٰهٌ وَٰحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ أُوْلُواْ ٱلۡأَلۡبَـٰبِ ﴿٥٢﴾

''یہ (قرآنِ مجید) کفایت ہے (پہنچا دینا، کافی ہے) لوگوں کیلئے، اور اس لئے ہے تاکہ وہ اس کے ذریعے سے خبردار ہو جائیں۔ اور اس لئے کہ وہ جان لیں کہ وہی اکیلا الہٰ ہے اور تاکہ دانا و بینا لوگ (محفوظ رکھیں) نصیحت لیں'' (ابراہیمؑ۔٥٢)

آقائے نامدار ﷺ فرماتے ہیں کہ روزِ قیامت تک ہر اس انسان کیلئے نَذِيرٌ خبردار کرنے والے ہیں

وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَـٰذَا ٱلۡقُرۡءَانُ لِأُنذِرَكُم بِهِۦ وَمَنۢ بَلَغَۚ (حوالہ الانعام۔١٩)

''اور یہ قرآنِ مجید میری طرف وحی کیا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعے میں تمہیں بھی خبردار کروں اور انہیں بھی جنہیں قرآنِ مجید پہنچا''

بَلَغَ ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے اور معنی ''وہ پہنچا'' ہیں

أَوَلَمۡ يَكۡفِهِمۡ أَنَّآ أَنزَلۡنَا عَلَيۡكَ ٱلۡكِتَـٰبَ يُتۡلَىٰ عَلَيۡهِمۡۚ (حوالہ العنکبوت۔٥١)

''کیا ان لوگوں کیلئے کافی نہیں ہوا ہمارا آپ (ﷺ) پر قرآنِ مجید (الکتاب) کا نازل کرنا جو اُن پر پڑھا جاتا ہے؟''

الحمد لله۔ وَمَنۢ بَلَغَۚ ہم ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں جنہیں یہ قرآنِ مجید پہنچا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اس میں فرمان ہے

عَـٰلِمُ ٱلۡغَيۡبِ فَلَا يُظۡهِرُ عَلَىٰ غَيۡبِهِۦٓ أَحَدًا ﴿٢٦﴾

''غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب کسی ایک پر بھی ظاہر نہیں کرتا۔

إِلَّا مَنِ ٱرۡتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ فَإِنَّهُۥ يَسۡلُكُ مِنۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَمِنۡ خَلۡفِهِۦ رَصَدًا ﴿٢٧﴾

سوائے اپنے پسندیدہ رسول کے۔ پھر (حفاظت کیلئے) اس کے آگے اور پیچھے پہرا مقرر کر دیتا ہے۔

لِيَعْلَمَ أَن قَدْ أَبْلَغُوا رِسَٰلَٰتِ رَبِّهِمْ وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَىٰ كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿٢٨﴾

تا کہ ظاہر کر دے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغام پہنچا دیئے ہیں (فرائض رسالت کی تکمیل کر دی ہے)

اور جو کچھ ان کے پاس ہے سب اس کے علم میں ہے اور ہر ایک شئے کا حساب لیتا ہے" (سورۃ الجن۔٢٦۔٢٨)

مَّا عَلَى ٱلرَّسُولِ إِلَّا ٱلْبَلَٰغُ

"رسول (کتاب) پہنچا دینے کے علاوہ کسی بات کا ذمہ دار نہیں" (حوالہ المائدہ۔٩٩)

یارب! ہمیں بصد خوشی اقرار ہے کہ آقائے نامدار ﷺ نے ہمیں قرآنِ مجید پہنچا دیا ہے۔

أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا۟ ٱلْقَوْلَ أَمْ جَآءَهُم مَّا لَمْ يَأْتِ ءَابَآءَهُمُ ٱلْأَوَّلِينَ ﴿٦٨﴾

"تو کیا لوگوں نے اس "قول" (قرآنِ مجید) پر غور وفکر نہیں کیا، یا ان کے پاس وہ آیا ہے جو ان کے اولین باپ دادا کے پاس نہیں آیا تھا؟

أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا۟ رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُۥ مُنكِرُونَ ﴿٦٩﴾

یا انہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا اس لئے اُس کا انکار کر رہے ہیں؟" (المومنون۔٦٨۔٦٩)

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ ٱلْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥١﴾

"اور یقیناً ہم نے انہیں قول پہنچا دیا ہے تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں (یاداشت میں محفوظ رکھیں)" (القصص۔٥١)

یارب! ہم احسان مند ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ کی زبان مبارک سے بیان ہوئے قول کو تو نے ہم تک من وعن بلا تحریف پہنچا دیا ہے۔
یارب! ہمیں بھی ان میں سے کر دے جن کے متعلق یہ ارشاد فرمایا

ٱلَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ ٱلْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُۥٓ ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ هَدَىٰهُمُ ٱللَّهُ ۖ وَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمْ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَٰبِ ﴿١٨﴾

"وہ جو "القول" (قرآنِ مجید) کو غور سے سنتے ہیں اور پھر اس میں بتائے ہوئے احسن (قول، عمل) کی پیروی کرتے ہیں۔
یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے راہ دکھادی ہے اور یہی عقل مند، دانا وبینا لوگ ہیں" (الزمر۔١٨)۔

اور آقائے نامدار، رحمت للعالمین ﷺ کی زبان مبارک سے دو ٹوک، عام معافی کا اعلان اور لوگوں کو ان شرائط سے آگاہ کروایا ہے۔ جن کو ماننے سے ان کے سابقہ تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

قُلۡ يَٰعِبَادِيَ ٱلَّذِينَ أَسۡرَفُواْ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمۡ لَا تَقۡنَطُواْ مِن رَّحۡمَةِ ٱللَّهِۚ

"آپ (ﷺ) لوگوں سے فرمائیں "اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنے اوپر زیادتی کی ہے! اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا،

إِنَّ ٱللَّهَ يَغۡفِرُ ٱلذُّنُوبَ جَمِيعًاۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلۡغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ٥

اللہ سب کے سب گناہ بخش دیتا ہے۔ وہی بخشنے والا، بہت رحم کرنے والا ہے"۔

انسان اللہ رب العزت کا بندہ ہے۔ اور کائنات میں یہ منفرد اعزاز صرف آقائے نامدار ﷺ کو عطا ہوا ہے کہ تمام انسانیت کو "اپنا بندہ" کہہ کر پکار سکیں۔ تمام انسانیت رب العالمین اور رحمت للعالمین کی غلام ہے۔ آقائے نامدار رحمت للعالمین پر درود و سلام ہے ہر لحہ۔

اے حقیقتِ بےنوا تجھے کسی اور شئے کی طلب ہو کیا　　یہی فخر کافی ہے بس تجھے کہ غلام شاہِ حجاز ہے　　(حقیقتِ نورانی)

موت سے قبل گناہوں کو بخشوانے کا طریقہ لوگوں کو یوں بتایا:

وَأَنِيبُوٓاْ إِلَىٰ رَبِّكُمۡ وَأَسۡلِمُواْ لَهُۥ مِن قَبۡلِ أَن يَأۡتِيَكُمُ ٱلۡعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ۝٥٤

"اور اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کے فرمانبردار ہو جاؤ اس سے قبل کہ تم پر عذاب آجائے اور پھر تمہیں مدد بھی نہ ملے۔

وَٱتَّبِعُوٓاْ أَحۡسَنَ مَآ أُنزِلَ إِلَيۡكُم مِّن رَّبِّكُم

اور اس بہترین کی اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف (قرآنِ مجید) اتارا گیا ہے

مِّن قَبۡلِ أَن يَأۡتِيَكُمُ ٱلۡعَذَابُ بَغۡتَةً وَأَنتُمۡ لَا تَشۡعُرُونَ ٥

اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آجائے جب تمہیں شعور بھی نہ ہو" (الزمر۔۵۳۔۵۵)

اللہ تعالیٰ نے آقائے نامدار ﷺ کی زبان مبارک سے جس کو سننے اور پھر اتباع کا حکم دلوایا ہے اور جس "القول" کو پہنچا دیا ہے اُس قرآنِ مجید کو یہ قرار دیا ہے

إِنَّهُۥ لَقَوۡلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝٤٠

"یقیناً یہ رسولِ کریم (ﷺ) کا قول ہے۔

وَمَا هُوَ بِقَوۡلِ شَاعِرٍۚ قَلِيلًا مَّا تُؤۡمِنُونَ ۝٤١

اور یہ (قرآنِ مجید) کسی شاعر کا قول نہیں (کہ ماننے میں تذبذب ہو) مگر تم میں کم ہی مانتے ہیں۔

وَلَا بِقَوۡلِ كَاهِنٍۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ۝٤٢ (الحاقۃ۔۴۰۔۴۲)

اور نہ کسی جوتشی کا یہ قول ہے۔ مگر تم میں کم ہی ہیں جو (تَذَكَّرُونَ، اس کا مادہ ذکر ہے) نصیحت لیتے ہیں (یاداشت میں محفوظ رکھتے ہیں)۔

قرآنِ مجید کے متعلق تین باتیں بتائی گئی ہیں کہ یہ قول رسولِ کریم ﷺ ہے اور یہ کسی شاعر اور کاھن کا قول نہیں۔ یعنی جن کا یہ قول ہے وہ آقائے نامدار ﷺ شاعر اور کاھن نہیں ہیں۔ الحمد لله

وَمَا عَلَّمْنَـٰهُ ٱلشِّعْرَ وَمَا يَنۢبَغِى لَهُۥٓ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْءَانٌ مُّبِينٌ ﴿٦٩﴾

''ہم نے انہیں (رسولِ کریم کو) شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ ان کیلئے یہ زیبا ہے۔ یہ ایک ذکر یعنی واضح قرآنِ مجید ہے'' (سورۃ یٰس۔۶۹)

فَذَكِّرْ فَمَآ أَنتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُونٍ ﴿٢٩﴾

''اس لئے آپ (ﷺ) نصیحت کریں (ذکر) کہ آپ پر اپنے رب کی نعمت ہے کہ آپ کاھن نہیں اور نہ ہی مجنون'' (الطور۔۲۹)

قول رسولِ کریم ﷺ کی حقیقت یوں بیان فرمائی

أَفْتَرَىٰ عَلَى ٱللَّهِ كَذِبًا أَم بِهِۦ جِنَّةٌۢ ۗ

(اور انکار کرنے والے لوگوں سے کہتے ہیں) '' کیا اس نے اللہ کے بارے میں جھوٹ گھڑا ہے یا اسے کوئی جنون ہے؟''

بَلِ ٱلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِٱلْـَٔاخِرَةِ فِى ٱلْعَذَابِ وَٱلضَّلَـٰلِ ٱلْبَعِيدِ ۝

نہیں! (ان کا یہ کہنا جھوٹ ہے) درحقیقت جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے وہ عذاب اور دور کی گمراہی میں پڑے ہیں'' (سورۃ سباء۔۸)

أَمْ يَقُولُونَ ٱفْتَرَىٰ عَلَى ٱللَّهِ كَذِبًا ۖ

'' کیا وہ کہتے ہیں کہ ''اس نے اللہ پر جھوٹ گھڑا ہے؟''

فَإِن يَشَإِ ٱللَّهُ يَخْتِمْ عَلَىٰ قَلْبِكَ ۗ

اور اگر اللہ یوں چاہتا تو آپ (ﷺ) کے دل پر مہر لگا دیتا (پھر آپ انہیں قرآن مجید سنا سکتے اور نہ تحریر کر کے انہیں دے سکتے)۔

وَيَمْحُ ٱللَّهُ ٱلْبَـٰطِلَ وَيُحِقُّ ٱلْحَقَّ بِكَلِمَـٰتِهِۦٓ ۚ إِنَّهُۥ عَلِيمٌۢ بِذَاتِ ٱلصُّدُورِ ۝ (الشوریٰ۔۲۴)

مگر اللہ تخیل رظن راختراع رجھوٹ کو مٹاتا ہے اور اپنے کلمات سے حقیقت کو حقیقت ثابت کرتا ہے۔ بیشک وہ سینوں کے بھید جانتا ہے''

تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ ٱلْعَـٰلَمِينَ ﴿٤٣﴾

''یہ جہانوں کے رب کا نازل کیا ہوا ہے۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ ٱلْأَقَاوِيلِ ﴿٤٤﴾

اور اگر وہ (بالفرض) ہمارے بارے میں (اپنی جانب، تلقاءِ نفس سے) بعض اقوال بناتے (جس کیلئے تم ان سے مطالبہ کرتے رہے)

لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِٱلْيَمِينِ ﴿٤٥﴾

تو ہم ان کے دائیں ہاتھ کو پکڑ لیتے ،

ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ ٱلْوَتِينَ ﴿٤٦﴾

بعد ازاں ہم ان کی شہ رگ کاٹ دیتے۔

فَمَا مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَٰجِزِينَ ﴿٤٧﴾

اور تم میں سے کوئی بھی ہمیں اس سے روکنے والا نہ ہوتا" (الحاقۃ۔۴۴۔۴۷)

ذہن میں محفوظ کسی بھی بات، حدیث کو دوسرے کو سنانے کیلئے اُسے پہلے دل، سینے میں لانا پڑتا ہے اور وہ حدیث زبان پر آنے سے قبل حبل الورید (Vocal Cord) کے ذریعے صوت پیدا کرتی ہے اور اس کے بعد انسان اپنی زبان اور ہونٹوں سے سننے والے کی زبان کے مطابق الفاظ کا روپ دے کر منہ سے نکالتا (پھینکتا) ہے یا اسے ضبط تحریر میں لاتا ہے اور رسول کریم ﷺ نے یہی بات لوگوں کو یوں بتائی

قُل لَّوْ شَآءَ ٱللَّهُ مَا تَلَوْتُهُۥ عَلَيْكُمْ وَلَآ أَدْرَىٰكُم بِهِۦ ۖ

"آپ (ﷺ) فرمائیں "اگر اللہ چاہتا تو میں تمہیں یہ (قرآنِ مجید) نہ سناتا۔ اور نہ وہ تمہیں اس کا ادراک ہونے دیتا"

" أَقَاوِيلِ "جمع ہے اقوال کی جو جمع ہے قول کی۔ قول میں جو مواد، باتیں موجود ہوتی ہیں انہیں کہتے ہیں۔ اقوال کو دوسروں تک پہنچانے کے ذرائع دو ہیں۔ منہ کی زبان اور تحریر۔ قولِ رسول کریم وہ ہے جو جہانوں کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے۔ اگر معاذ اللہ رسول کریم نے اپنی جانب سے بھی کچھ اقوال بنائے ہوتے تو ان کو دوسروں تک دو ہی طریقوں سے پہنچا سکتے تھے، زبان مبارک سے انہیں سنا کر یا ضبط تحریر میں لانے کے بعد انہیں لوگوں کو دیتے۔ اگر زبان سے سناتے تو یہ اُن لوگوں تک محدود رہتے جو اُس زمان میں زندہ تھے اور زمان کی گزرگاہ میں سینہ بہ سینہ آگے آتے تو انہیں تسلیم کرنے میں تذبذب ہوتا کہ یہ آپ ﷺ کے اقوال ہیں بھی یا نہیں۔ اقوال سنانے کا تعلق زبان سے ہوتا ہے اور کسی کو من گھڑت اقوال سنانے سے روکنا ہو تو یہ کہنا بے معنی بات ہے کہ اس کے دائیں ہاتھ کو پکڑ لیا جائے گا بلکہ یوں کہا جاتا ہے کہ اُس کی زبان کاٹ دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر معاذ اللہ رسول کریم ﷺ اپنی جانب سے کچھ اقوال بنا کر لوگوں کو تحریر میں دیتے تو ان کے دائیں ہاتھ کو پکڑ لیا جاتا۔ وجہ؟ اس لئے کہ آپ ﷺ دائیں ہاتھ سے لکھتے ہیں۔

وَمَا كُنتَ تَتْلُوا۟ مِن قَبْلِهِۦ مِن كِتَٰبٍ وَلَا تَخُطُّهُۥ بِيَمِينِكَ ۖ (حوالہ العنکبوت۔۴۸)

"اور آپ (ﷺ) قرآنِ مجید کے نزول سے قبل کتاب میں سے پڑھنا جانتے تھے اور نہ دائیں ہاتھ سے لکھنا جانتے تھے"

قولِ رسول کریم ﷺ کے متعلق بات کو جاری رکھتے ہوئے مزید بتایا

وَإِنَّهُۥ لَتَذۡكِرَةٞ لِّلۡمُتَّقِينَ ﴿٤٨﴾

اور یقیناً یہ متقین کیلئے (یاداشتوں میں محفوظ رکھنے والی رہنمائی) نصیحت ہے۔

وَإِنَّا لَنَعۡلَمُ أَنَّ مِنكُم مُّكَذِّبِينَ ﴿٤٩﴾

اور ہم یقیناً جانتے ہیں کہ تم لوگوں میں اس (قرآنِ مجید) کو جھٹلانے والے بھی ہیں۔

وَإِنَّهُۥ لَحَسۡرَةٌ عَلَى ٱلۡكَٰفِرِينَ ﴿٥٠﴾

اور یہ (قرآنِ مجید) انکار کرنے والوں کیلئے باعث حسرت ہے۔

وَإِنَّهُۥ لَحَقُّ ٱلۡيَقِينِ ﴿٥١﴾

اور یقیناً یہ (قرآنِ مجید) یقینی بیانِ حقیقت ہے۔

فَسَبِّحۡ بِٱسۡمِ رَبِّكَ ٱلۡعَظِيمِ ﴿٥٢﴾

اس لئے آپ (ﷺ ان کی کہی اختراع کردہ باتوں کا غم نہ کریں) اپنے عظیم رب کے نام کی تسبیح کئے جائیں'' (الحاقة-٤٠-٥٢)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا إِنَّهُۥ لَقَوۡلُ رَسُولٖ كَرِيمٖ ﴿٤٠﴾ ''یقیناً یہ رسولِ کریم (ﷺ) کا قول ہے''

قولِ رسولِ کریم ﷺ کیا ہے؟ اُسی کے متعلق فرمایا

إِنَّهُۥ لَقُرۡءَانٞ كَرِيمٞ ﴿٧٧﴾

''بیشک یہ قرآنِ کریم ہے۔

فِي كِتَٰبٖ مَّكۡنُونٖ ﴿٧٨﴾

محفوظ کتاب (کی صورت) میں (محفوظ اس لئے کہ اس کی حفاظت کے ہم ذمہ دار ہیں)۔

لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلۡمُطَهَّرُونَ ﴿٧٩﴾

جسے نہیں چھوتے (نہ چھوئیں) سوائے مطہر لوگوں کے۔

تَنزِيلٞ مِّن رَّبِّ ٱلۡعَٰلَمِينَ ﴿٨٠﴾ أَفَبِهَٰذَا ٱلۡحَدِيثِ أَنتُم مُّدۡهِنُونَ ﴿٨١﴾

یہ جہانوں کے رب کا نازل کیا ہوا ہے۔ تو کیا تم اس ''حدیث'' کو غیر سنجیدگی سے لیتے ہو،

(اس میں خیانت کرتے ہو، چکنی چپڑی باتوں سے کمی بیشی کرتے ہو؟)

وَتَجۡعَلُونَ رِزۡقَكُمۡ أَنَّكُمۡ تُكَذِّبُونَ ﴿٨٢﴾

اور تم اسے اپنا روزگار بنالیتے ہو، بیشک تم (لوگوں میں وہ بھی ہیں جو اس طرح اسے) جھٹلاتے ہو'' (الواقعة-٧٧-٨٢)

اوراس موضوع پر کلام کے آخر میں فرمایا

إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ حَقُّ ٱلْيَقِينِ ﴿٩٥﴾

''یقیناً یہ (قرآنِ مجید) یقینی بیانِ حقیقت ہے۔

فَسَبِّحْ بِٱسْمِ رَبِّكَ ٱلْعَظِيمِ ﴿٩٦﴾

اس لئے آپ (ﷺ) اپنے عظیم رب کے نام کی تسبیح کیے جائیں'' (الواقعۃ ۔۹۵۔۹۶)

اللہ رب العزت کے اس بیان کو دھیان سے پڑھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کو قولِ رسول کریم کہا ہے کیونکہ انہوں نے اُسے لوگوں کو سنایا ہے۔ اور واضح فرمایا کہ آپ ﷺ نے اپنی جانب سے کبھی اقوال بنا کر لوگوں کو سنائے تھے اور نہ تحریر میں دیئے تھے۔

''القول'' کی جانب جانے کا نتیجہ یہ بتایا گیا ہے

إِنَّ ٱللَّهَ يُدْخِلُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِن ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا ۖ وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ﴿٢٣﴾

''بیشک اللہ انہیں جو ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے پائیں نہریں بہتی ہیں، وہاں انہیں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے۔ اور ان کا لباس وہاں ریشم کا ہوگا۔

وَهُدُوٓا۟ إِلَى ٱلطَّيِّبِ مِنَ ٱلْقَوْلِ وَهُدُوٓا۟ إِلَىٰ صِرَٰطِ ٱلْحَمِيدِ ﴿٢٤﴾

کیونکہ انہیں قول میں سے طیب (فائدہ مند) راہ دکھائی گئی تھی اور صاحب تعریف (اللہ) کی راہ دکھائی گئی تھی'' (سورۃ الحج ۔۲۳۔۲۴)

قول الفاظ پر مشتمل ایک مکمل بات کو کہتے ہیں۔ قول کسی بات کو الفاظ کے روپ میں زبان سے ادائیگی یا تحریر کے ذریعے دوسرے کی سماعتوں اور بصارتوں کے ذریعے اس کے ذہن وقلب میں منتقل کرنے کیلئے ہے۔ اور قول کے ذریعے جو بات ایک قلب و ذہن سے دوسرے قلوب واذہان میں منتقل کی جارہی ہوا سے عربی زبان میں ''حدیث'' کہتے ہیں۔ قرآن کریم کو قولِ رسول کریم ﷺ کہا گیا اور قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کردہ 'حدیث'' قرار دیا گیا۔ قولِ رسول یعنی قرآن مجید میں بتائی گئی بات، حدیث اللہ تعالیٰ کی ہے، رسول کریم کی نہیں۔ مُحدَث، ٱلْحَدِيثِ کا مادہ ''ح د ث'' ہے۔ ٱلْحَدِيثِ قدیم کی ضد ہے۔ ابن فارس کے مطابق اس کے معنی عدم سے وجود میں آنے کے ہیں۔ نئی بات، حوادث سامنے آنے والے نئے نئے واقعات کو کہتے ہیں۔

مَا يَأْتِيهِم مِّن ذِكْرٍ مِّن رَّبِّهِم مُّحْدَثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ ﴿٢﴾ لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ

''ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ''ذکر'' (قرآنِ مجید) میں جو بھی نئی بات سامنے آتی ہے، اسے کھیل سمجھ کر وہ سنتے ہیں۔

اور ان کے دل کسی اور خیال میں ہوتے ہیں'' (حوالہ الانبیاء-۲-۳)

وَمَا يَأْتِيهِم مِّن ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمَٰنِ مُحْدَثٍ إِلَّا كَانُوا عَنْهُ مُعْرِضِينَ ﴿٥﴾

'ان کے پاس رحمٰن کی طرف سے ''ذکر'' (قرآنِ مجید) میں جو بھی نئی بات سامنے آتی ہے، وہ اس سے گریز کر جاتے ہیں' (الشعراء-۵)

قول یعنی زبان کے ذریعے بیان کی گئی کسی حدیث کو سماعتوں کے ذریعے سنا جاتا ہے لیکن سننے والے کا قلب وذہن اگر دوسرے خیالوں میں مگن ہو تو کہی گئی بات یادداشت (Memory) تک نہیں پہنچتی کہ وہاں محفوظ ہو سکے۔ اس انداز کا سننا محض کھیل ہے۔ 'مُعْرِضِينَ'' (اسم فاعل جمع مذکر۔ اعراض مصدر باب افعال) کے معنی منہ موڑنے والے، رخ پھیرنے والے، اجتناب کرنے والے۔ اس کا مادہ ''ع ر ض'' ہے جس کے معنی کسی چیز کا ظاہر ہو جانا، یا کسی شئے کو کسی کے سامنے پیش کرنا۔ اس کا تعلق سماعت سے نہیں بصارتوں سے ہے۔ یہ لوگ قرآنِ مجید کی کسی حدیث کو نہ سنجیدگی سے سنتے ہیں اور جب تحریری قرآنِ مجید میں نئی بات، حدیث ان کے سامنے آتی ہے تو اس سے اعراض، گریز کرتے ہیں۔

الْحَدِيثِ کی جمع احادیث ہے۔ حدیث چونکہ ایک بات کو کہتے ہیں اس لئے یہ تخصیص کرنا لازم ہے کہ کسی حدیث کی خصوصیت، صفت کیا ہے۔ عربی زبان میں مکمل، جامع، بہترین بات کو جو حقیقت پر مبنی ہو ''احسن حدیث'' کہتے ہیں۔

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ

''اللہ نے أَحْسَنَ الْحَدِيثِ نازل فرمایا ہے'' (حوالہ الزمر-۲۳)

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ

''بیشک ان گزرے لوگوں کے قصوں میں غور وفکر کرنے والوں کیلئے عبرت، سبق ہے۔

مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ

یہ (قرآنِ مجید) کوئی ایسی حدیث نہیں جسے کوئی اختراع کر (تخیل سے گھڑ) لے'' (حوالہ سورۃ یوسف-۱۱۱)

وَمَا كَانَ هَٰذَا الْقُرْآنُ أَن يُفْتَرَىٰ مِن دُونِ اللَّهِ

''اور یہ قرآنِ مجید ایسا نہیں ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اتنی عظیم اور اہم کتاب تصنیف کر لے'' (حوالہ یونس-۳۷)

سورۃ الکہف کی آیت ۱-۵ میں نزول اور اس کے اغراض ومقاصد بتانے کے بعد آیت ۶ میں بھی قرآنِ مجید کو الْحَدِيثِ کہا گیا ہے

فَلَعَلَّكَ بَٰخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰٓ ءَاثَٰرِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا۟ بِهَٰذَا ٱلْحَدِيثِ أَسَفًا ﴿٦﴾

''لیکن اگر وہ اس ''الحدیث'' (کتاب) پر ایمان نہ لائے تو شاید آپ ان کے پیچھے لگ کر رنج سے اپنے آپ کو ہلاک کرلیں گے''

لَعَلَّكَ بَٰخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا۟ مُؤْمِنِينَ ﴿٣﴾

''آپ (ﷺ) تو شاید اپنے آپ کو (اس غم میں) ہلاک کرلیں گے کہ وہ (اس قرآن مجید) پر ایمان نہیں لاتے'' (الشعراء۔۳)

أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُۥ ۚ بَل لَّا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٣﴾

''یا وہ کہتے ہیں کہ ''انہوں (رسول کریم ﷺ) نے اپنی طرف سے یہ قول (قرآن مجید) بنایا ہے؟''

نہیں! (یہ رسول کی اپنی جانب سے بنایا ہوا قول نہیں)، درحقیقت وہ مانتے نہیں۔

فَلْيَأْتُوا۟ بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِۦٓ إِن كَانُوا۟ صَٰدِقِينَ ﴿٣٤﴾

اچھا! (اگر یہ ان کی حدیث ہے تو) وہ بھی اس کے مثل حدیث لے آئیں اگر وہ اپنے قول میں سچے ہیں'' (الطور۔۳۳۔۳۴)

أَفَمِنْ هَٰذَا ٱلْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ ﴿٥٩﴾ وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ ﴿٦٠﴾

''تو کیا پھر تمہیں اس حدیث میں تعجب ہوتا ہے اور (ابھی بھی) ہنس رہے ہو اور روتے نہیں ہو

وَأَنتُمْ سَٰمِدُونَ ﴿٦١﴾

اور تم غافل، لہو ولعب میں مشغول، رکے بغیر من مانی کیے چلے جا رہے ہو'' (النجم۔۵۹۔۶۱)۔

تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٨٠﴾ أَفَبِهَٰذَا ٱلْحَدِيثِ أَنتُم مُّدْهِنُونَ ﴿٨١﴾

''یہ (قرآنِ کریم) جہانوں کے رب کا نازل کیا ہوا ہے۔ تو کیا تم اس ''حدیث'' کو غیر سنجیدگی سے لیتے ہو، (اس میں خیانت کرتے ہو، چکنی چپڑی باتوں سے کمی بیشی کرتے ہو)؟

وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ ﴿٨٢﴾

اور اس کو تم لوگ اپنا روزگار بنا لیتے ہو۔ بیشک تم (لوگوں میں وہ بھی ہیں جو اس کی) تکذیب کرتے ہو'' (الواقعۃ۔۸۰۔۸۲)

فَلَا تُطِعِ ٱلْمُكَذِّبِينَ ﴿٨﴾ وَدُّوا۟ لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ﴿٩﴾ (القلم۔۸۔۹)

''اس لئے آپ (ﷺ) تکذیب کرنے والوں کی بات نہ مانیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ آپ کچھ نرم پڑ جائیں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں''

کیا یہ جائے فکر نہیں کہ کچھ دیر یہاں رک کر ہم سنجیدگی سے کچھ سوچیں۔ ''مُّدْهِنُونَ'' کا مادہ ''د ھ ن'' ہے اور ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ''نرمی اور سہولت اور قلت کے ہوتے ہیں اور ادْهَنَ کے معنی خیانت کرنے کے''۔

فریب، بناوٹ، تصنع، نمائش (چکنی چپڑی باتوں کے اعتبار سے)، سنجیدگی اور حقیقت کا دامن چھوڑ دینا (تاج، محیط و راغب)

''تُكَذِّبُوْنَ'' کا مادہ ''ک ذ ب'' ہے۔ جناب راغب نے کہا ہے کہ ' الصِدق، الکِذبُ کی ضد ہے اور اصل میں دونوں قول کے متعلق استعمال ہوتے ہیں خواہ اس کا تعلق زمانہ ماضی یا مستقبل کے ساتھ ہو۔ وعدہ کے قبیل سے ہو یا وعدہ کے قبیل سے نہ ہو۔ الغرض بالذات یہ قول ہی کے متعلق استعمال ہوتے ہیں پھر قول میں بھی صرف خبر کے لئے آتے ہیں۔ کسی چیز کے متعلق خلاف حقیقت خبر دینا۔ جھوٹ، تکذیب۔

تِلْكَ ءَايَـٰتُ ٱللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِٱلْحَقِّ

''یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم آپ (ﷺ) کو دوٹوک سنا رہے ہیں

فَبِأَيِّ حَدِيثٍۭ بَعْدَ ٱللَّهِ وَءَايَـٰتِهِۦ يُؤْمِنُونَ ۝

پھر اللہ کی حدیث (کتاب، قرآن مجید) اور اس کی آیات کے بعد وہ کس حدیث پر ایمان لائیں گے؟'' (سورۃ الجاثیۃ۔٦)

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ ءَايَـٰتُنَا

''اور جب ایسے شخص کو ہماری آیات سنائی جاتی ہیں

وَلَّىٰ مُسْتَكْبِرًا كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا كَأَنَّ فِىٓ أُذُنَيْهِ وَقْرًا

تو تکبر سے پیٹھ پھیر جاتا ہے جیسے اس نے سنا ہی نہیں، جیسے اس کے دونوں کانوں پر بندش ہے'' (حوالہ لقمان۔٧)

وَيْلٌ لِّكُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ۝٧

''افسوس ہر جھوٹے گنہگار پر'' (الجاثیۃ۔٧)

يَسْمَعُ ءَايَـٰتِ ٱللَّهِ تُتْلَىٰ عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا (حوالہ الجاثیۃ۔٨)

سنتا ہے اللہ کی آیات جو اسے سنائی جاتی ہیں بعد از اں تکبر سے اپنی بات پر اڑا رہتا ہے جیسے اس نے اللہ کی آیات کو سنا ہی نہیں''

فَذَرْنِى وَمَن يُكَذِّبُ بِهَـٰذَا ٱلْحَدِيثِ ۖ سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ۝٤٤

''اس لئے جو اس حدیث (قرآن مجید) کو جھٹلاتا ہے اسے چھوڑ دیں۔ ہم انہیں آہستہ آہستہ پکڑیں گے جہاں سے انہیں معلوم بھی نہ ہوگا۔

وَأُمْلِى لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِى مَتِينٌ ۝٤٥

مگر میں انہیں مہلت دے رہا ہوں بیشک میرا داؤ پکا ہے'' (القلم۔٤٤۔٤٥)

یہ بات ایک مرتبہ پہلے بھی بتائی ہے

وَٱلَّذِينَ كَذَّبُواْ بِـَٔايَـٰتِنَا سَنَسۡتَدۡرِجُهُم مِّنۡ حَيۡثُ لَا يَعۡلَمُونَ ﴿١٨٢﴾

''اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں ہم انہیں آہستہ آہستہ پکڑیں گے جہاں سے انہیں معلوم بھی نہ ہوگا'' (الاعراف۔۱۸۲)

قول سے دوسروں کیلئے حدیث متعارف ہوتی ہے کیونکہ حدیث قول سے قبل وجود رکھتی ہے۔ حدیث موجود نہیں تو قول کے ذریعے اسے دوسروں کو متعارف کرانے کی نوبت کیسے آسکتی ہے؟ اور جب شئے کے خالق کی حدیث قول کے ذریعے دوسروں کو متعارف کرادی جائے تو اس کی حیثیت اٰیَۃ کی ہوتی ہے کیونکہ خالق شئے کے ظاہر اور باطن کو مکمل طور پر جاننے والا ہوتا ہے۔ اور علم صرف اور صرف اٰیَۃ کا ہوتا ہے۔ حدیث رقول سے اطلاع رخبر ملتی ہے جو کسی شئے کے متعلق انسان کو علم اور ادراک عطا کرتی ہے اور کسی بھی شئے کے متعلق ایسا قول جس میں وہ حدیث بیان ہوئی ہو جو زمان و مکان کی قیود سے آزاد بیان حقیقت ہو اس کی حیثیت اٰیَۃ کی ہوتی ہے کہ اٰیَۃ کسی ظاہری شئے، علامت، نشانی، علم کو کہتے ہیں۔ حدیث رقول سے ماضی، حال اور مستقبل کی ظاہر اور پنہاں باتوں کی ''تفسیر'' یعنی خبر (breaking news) ملتی ہے جس سے انسان کو بعض حقیقتوں سے واقفیت حاصل ہوتی ہے جن میں اس کیلئے عبرت و موعظت، خوشخبری اور غفلت سے بیدار کئے جانے کیلئے خبردار کرنے کا پہلو ہوتا ہے۔ قول میں امر یعنی حکم ہوتا ہے اور وعدہ بھی۔

ٱللَّهُ لَآ إِلَـٰهَ إِلَّا هُوَۚ لَيَجۡمَعَنَّكُمۡ إِلَىٰ يَوۡمِ ٱلۡقِيَـٰمَةِ لَا رَيۡبَ فِيهِۗ وَمَنۡ أَصۡدَقُ مِنَ ٱللَّهِ حَدِيثًا ﴿٨٧﴾

''اللہ وہ ہے جس کے سوا الٰہ کوئی نہیں۔ وہ تم سب کو اس قیامت کے دن جمع کرے گا جس کے آنے میں کوئی شک نہیں اور اللہ کی حدیث سے بڑھ کر سچی حدیث کس کی ہوسکتی ہے؟'' (النساء۔۸۷) یارب! کسی کی بھی نہیں۔

وَٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّـٰلِحَـٰتِ سَنُدۡخِلُهُمۡ جَنَّـٰتٍ تَجۡرِى مِن تَحۡتِهَا ٱلۡأَنۡهَـٰرُ خَـٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًاۖ وَعۡدَ ٱللَّهِ حَقًّاۚ وَمَنۡ أَصۡدَقُ مِنَ ٱللَّهِ قِيلًا ﴿١٢٢﴾

''اور وہ لوگ جو ایمان لائیں اور صالح اعمال کریں تو انہیں ہم ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے پائیں نہریں بہتی ہوں گی اور وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے اور اللہ سے بڑھ کر کس کا قول (وعدہ) سچا ہے'' (النساء۔۱۲۲)۔

''قِيلًا'' اسم مصدر، قول کا ہم معنی ہے معنی کلام، بات (راغب)

اللہ تعالیٰ کے علاوہ انسانوں کی جانب سے حدیث، بات کیسے بنائی جاتی ہے؟ انسان لوگوں کو اپنے منہ کے قول کے ذریعے جس کسی حدیث کو سناتا یا تحریر میں لکھ دیتا ہے، اُس حدیث کو وہ بناتا کیسے ہے؟ انسان کی دنیا میں آمد پر یہ کیفیت ہوتی ہے

وَٱللَّهُ أَخۡرَجَكُم مِّنۢ بُطُونِ أُمَّهَـٰتِكُمۡ لَا تَعۡلَمُونَ شَيۡـًٔا

''اور اللہ ہی نے تمہیں تمہاری ماؤں کے بطنوں سے اس حال میں خارج کیا کہ تم کسی شئے کا علم نہیں رکھتے تھے'' (حوالہ النحل۔۷۸)

دنیا میں آمد کے وقت انسان علم نہیں رکھتا لیکن واضح کیا کہ علم ''شئے'' کا ہوتا ہے۔ ''شئے'' بنیادی طور پر ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو وجود (dimensions) رکھتی ہے، جسے محسوس کیا جا سکے، جس کا ایک متعین اسم، نام ہے۔ ماں کے رحم سے جس کائنات میں قدم رکھنے کیلئے انسان کو خارج کیا گیا اس کے متعلق بتایا کہ اسے اُس کیلئے تخلیق اور مسخر کیا گیا ہے۔ اس بات کو انسان کیسے سمجھے اور مانے گا؟ اس حقیقت کا ادراک کیسے ہوتا ہے؟ وَجَعَلَ لَكُمُ ٱلسَّمْعَ وَٱلْأَبْصَـٰرَ وَٱلْأَفْـِٔدَةَ ''اور تمہارے لئے سماعت، بصارت اور دل و دماغ بنائے'' (حوالہ النحل۔۷۸ السجدہ۔۹، الملک۔۲۳)۔ علم کی ابتدا شئے کے اسم اور وجود سے مطلع ہونا ہے۔ اسم سے مطلع ہونے کیلئے سماعت ہے اور وجودِ شئے پر مطلع ہونے کیلئے بصارت۔ سماعت اور بصارت وہ صلاحیت ہے جو علم حاصل کرنے کا بنیادی ذریعہ اور وسیلہ ہیں اور ذہن و قلب سے علم پر غور و فکر کرنے سے راستے متعین کرنے یعنی ہدایت پانے کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ انسان لَا تَعْلَمُونَ شَيْـًٔا ''کسی شئے کا علم نہیں رکھتا'' کے مقام سے بتدریج ابھرتے ہوئے سماعتوں اور بصارتوں کے ذریعے اسماء اور آیات یعنی علامتوں، نشانیوں، اشیاء، واقعات، حدیثوں کے متعلق معلومات کے ذخائر کو اپنی یاداشت میں محفوظ کرتا ہے اور پھر ان پر غور و فکر کر کے مختلف اصول اور نتائج اخذ کرتا ہے اور انہیں جس انداز میں ترتیب دے کر یاداشت میں جمع کرتا ہے ''انہیں ذہن سے نکال کر ان سے ملاقات کرنا'' تِلْقَآيِ نَفْسِىٓ ''میرا ادراک، میری بصیرت'' ہے۔ ہر انسان کی تِلْقَآيِ نَفْسِىٓ اس کے ذہن پر نقش وہ یادیں ہیں جو زندگی کے اُس مقام تک اس کی سماعتوں اور بصارتوں میں آئی تھیں اور جو اس کیلئے علم، ذھانت، دانائی، فہم، تجربہ، بصیرت کا باعث بنی تھیں۔ اور ذہن میں محفوظ اِن یاداشتوں کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگا لیں کہ اگر ان تک انسان کی رسائی نہ رہے تو کسی حدیث کو بیان کرنا اور دوسروں کو سنانا تو درکنار جوتے کا تسمہ بھی نہ باندھ سکے۔

وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰٓ أَرْذَلِ ٱلْعُمُرِ لِكَىْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا (حوالہ النحل۔۷۰)

وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰٓ أَرْذَلِ ٱلْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا (حوالہ الحج۔۵)

''اور تم میں سے کسی کو لوٹایا جاتا ہے نکمی، کمتر درجے کی مدت حیات کی جانب
تا کہ علم حاصل ہو جانے کے بعد کسی بھی شئے کا علم نہ جانے''

انسان لَا تَعْلَمُونَ شَيْـًٔا 'کسی شئے کا علم نہیں رکھتا' کے مقام سے سماعتوں میں آنے والے اسماء، حدیثوں اور نگاہوں میں آنے والی اشیاء، ظاہری علامتوں، نشانیوں (ان کیلئے عربی کا جامع لفظ ءایۃ ہے)، معلومات کو یاداشت میں محفوظ کرتے ہوئے زندگی کی ارتقائی منازل طے کرتا اور صاحب علم و بصیرت بنتا ہے۔ اور پھر خود اپنی جانب سے دوسروں کو حدیثیں بیان کرنے کے قابل ہوتا ہے کیونکہ عَلَّمَهُ ٱلْبَيَانَ ۝ ''اسے علمِ بیان دیا'' (الرحمٰن۔۴)

کیا آقائے نامدار ﷺ نے انسان کو عطا کی گئی اس صلاحیت کو لوگوں کیلئے استعمال فرمایا تھا؟ قرآنِ مجید نے بتایا:

وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِم بِآيَةٍ قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا

"اور جب آپ ان کے پاس (قرآنِ مجید کی) کوئی آیت نہیں لاتے تو وہ کہتے ہیں "آپ نے خود ہی اس کو کیوں جمع نہیں کرلیا؟"

اَجْتَبَيْتَهَا ماضی کا صیغہ واحد مذکر حاضر اور "ھا" ضمیر واحد مؤنث غائب اور معنیٰ "تو نے اس کو چھانٹ لیا، پسند کرلیا، انتخاب کرلیا" اس کا کا مادہ "ج ب و (ی)" ہے جس کے اصل معنیٰ جمع کرنے یا جمع ہو جانے کے ہیں (تاج، محیط راغب) تالیف کرنا۔ ادھر اُدھر کی باتوں میں سے انتخاب کر کے اور انہیں یکجا کر کے آیت بنانے کیلئے جس صلاحیت نے معاونت کرنی اور بنیادی ذریعہ اور وسیلہ بننا ہے وہ یادداشت (Memory) میں محفوظ علم، باتیں، حدیثیں، روایتیں، واقعات ہیں۔ آپ ﷺ کا اُن لوگوں کو جواب کیا تھا؟

قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ مِن رَّبِّي

"آپ (ﷺ) کہیں "میں تو صرف اس کی اتباع کرتا ہوں جو میرے رب کی جانب سے میری طرف وحی کیا جاتا ہے

هَٰذَا بَصَائِرُ مِن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ○

یہ تم لوگوں کے رب کی طرف سے بصیرت افروز پیغام ہے اور ماننے والے لوگوں کیلئے ہادی اور رحمت ہے" (الاعراف۔۲۰۳)

زمان کے ہر دور میں انسان نازل کردہ کتاب سے فرار کا طالب رہا ہے۔ زمان میں لوگ تو نت نئی روایتیں اور حدیثیں بناتے ہی رہتے ہیں اور اُن کی کتاب سے بچنے کی خواہش اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ رسول کریم ﷺ سے یہ مطالبہ کرنے سے بھی نہیں شرماتے:

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ

"اور جب انہیں ہماری واضح آیتیں سنائی جاتی ہیں

قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ

تو وہ لوگ جو ہمیں ملنے کی توقع نہیں رکھتے کہتے ہیں "اس قرآن کے غیر (علاوہ) کوئی قرآن لے آئیں یا اس قرآن کو بدل دیں"۔

اور آئیں اپنے آقا، آقائے نامدار ﷺ کے فرمان کو سنیں کہ بصر اور بصیرت کیا ہوتی ہے

قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِن تِلْقَاءِ نَفْسِي (حوالہ یونس۔۱۵)

"آپ ﷺ جواب میں فرمائیں "مجھے روا نہیں کہ میں اپنی بصیرت وادراک (perception) سے اسے بدل دوں"

انسان اپنی یادداشتوں میں نقش معلومات، تجربات، حدیثوں اور روایتوں کی پیروی اور اتباع میں عمل کرتا ہے جن تمام کے صحیح اور حقیقت ہونے کا دعویٰ کوئی نہیں کرسکتا۔ رب العالمین کی قسم ہے کہ قرآنِ مجید کے نزول سے قبل بھی میرے آقا ﷺ کے قلب مبارک اور ذہن

میں نقشِ مبارک زندگی کا ہر لمحہ صحیح، حقیقت، صادق اور امین ہے کہ ان کی عمر کی قسم اللہ رب العزت دیتا ہے **لَعَمْرُكَ** ''آپ کی عمر کی قسم'
(حوالہ الحجر۔۷۲)۔لیکن وہ فرماتے ہیں

إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ

''میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف (کتاب میں) وحی کیا جاتا ہے'' (حوالہ یونس۔۱۵)

رسولِ کریم ﷺ سے لوگوں نے بظاہر باتیں تین کہی تھیں لیکن آپ ﷺ سے جواب ایک بات کا دلایا گیا ہے۔ لوگوں نے کہا تھا کہ آپ ﷺ کسی بات کا خود ہی انتخاب کر لیں، اس قرآنِ مجید کے علاوہ کسی غیر قرآن کو لے آئیں یا اس کو بدل دیں۔ تینوں باتوں کا مقصد اور نتیجہ ایک ہی ہے۔ لوگوں کو قرآنِ مجید میں بیان کردہ کے علاوہ باتوں/حدیثوں میں دلچسپی تھی۔ رسولِ کریم ﷺ کا دوٹوک جواب یہ ہے ''مجھے روا نہیں کہ میں **تِلْقَآئِ نَفْسِيٓ** سے اس قرآنِ مجید کو بدل دوں''

ادھر اُدھر کی باتوں میں سے انتخاب کرنے اور دنیا کی کسی بھی کتاب کی باتوں کو بدلنے کیلئے انسان کو **تِلْقَآئِ نَفْسِيٓ** ہی کا سہارا لینا پڑتا ہے چاہے یہ تبدل اُس کتاب کی اپنی زبان میں کیا جائے یا اُس کتاب کی باتوں کا دوسری زبانوں میں ترجمہ و مفہوم بیان کرتے ہوئے۔ ہر انسان کی **تِلْقَآئِ نَفْسِيٓ** اس کے ذہن پر نقش وہ یادیں، روایتیں، حدیثیں، باتیں، معلومات ہیں جو زندگی کے اُس مقام تک اس کی سماعتوں اور بصارتوں میں آئی تھیں اور جو اس کیلئے علم، ذھانت، دانائی، فہم، تجربہ، بصیرت کا باعث بنی تھیں۔ کسی بھی شخص کی **تِلْقَآئِ نَفْسِيٓ** ادراک و بصیرت کیسے بنتی ہے؟ **تِلْقَآئِ** میں **تِلْقَآءَ** کا مادہ 'ل ق ی' اور 'ی' ضمیر مجرور متصل ہے واحد متکلم کیلئے آتی ہے۔ ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہونا **لِقَاءَ** ہے۔ ملاقات، کسی بات کا بصر یا بصیرت سے **(Perception)** ادراک کر لینا (جناب راغب)۔ **نَفْسِيٓ** کا مادہ 'ن ف س' ہے اور انسانی شخصیت کے ظاہری اور باطنی پہلوؤں کے مجموعہ پر بولا جاتا ہے۔ نیز وہ توانائی جس سے تمیز کی صلاحیت، شعور اور احساس کی قوت، پیدا ہوتی ہے۔ علم اور قلب کے معنوں میں بھی آتا ہے (تاج و ابن فارس)۔ ہر ذی حیات انسان کا ایک ظاہر ''بشر'' ہے اور ایک اس کا باطن۔ اس کا باطن **تِلْقَآئِ نَفْسِيٓ** ''میری بصیرت و ادراک، علم'' ہے جسے اپنے ذہن سے نکال کر سینے میں ''ملاقات'' کرتا ہے اور پھر لوگوں کے سامنے اسے قولاً یا تحریراً بیان کرتا ہے۔ آقائے نامدار رسولِ کریم ﷺ کی بھی قرآنِ مجید کو لوگوں کو سنانے سے قبل **تِلْقَآئِ نَفْسِيٓ** ''میرا ادراک، میری بصیرت'' تھی لیکن آپ ﷺ نے واضح فرما دیا کہ اس صلاحیت کو استعمال کر کے وہ کسی بات (عربی میں حدیث) کو منتخب کر کے لوگوں کو نہیں بتاتے اور قرآنِ مجید کی کسی بات میں تبدل نہیں فرماتے بلکہ ''میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے''

ہر انسان کی تِلْقَآيِ نَفْسِيٓ ’’میرا ادراک، میری بصیرت‘‘ کے علاوہ ایک اور شئے بھی ہے۔ جس کے زیرِ اثر لوگوں سے وہ کوئی بات کہتا ہے۔ اور وہ ہے خواہش، جذبہ، آرزو، اَلْهَوٰىٓ۔ اس حوالے سے بھی آقائے نامدار ﷺ کے متعلق انسانیت کو واضح فرمایا

وَمَا يَنطِقُ عَنِ ٱلْهَوَىٰٓ ﴿٣﴾

’’اور نہ وہ اپنی خواہش (تخیل) سے لوگوں سے بات کرتے ہیں

إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْىٌ يُوحَىٰ ﴿٤﴾

بیشک یہ (بات جو وہ بیان کر رہے ہیں) ایک وحی ہے جو کی جاتی ہے‘‘ (سورۃ النجم۔۳۔۴)

اور آقائے نامدار رسولِ کریم ﷺ سے فرمایا کہ لوگوں کو بتائیں

قُلْ مَآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَآ أَنَا۠ مِنَ ٱلْمُتَكَلِّفِينَ ﴿٨٦﴾

آپ (ﷺ) کہہ دیں ’’میں تم سے اس کی اجرت نہیں مانگتا اور میں ایسے کام کیلئے پابند کرنے والوں میں سے نہیں جو کسی پر گراں گزرے

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَـٰلَمِينَ ﴿٨٧﴾

یہ (قرآنِ مجید) تو جہان والوں کیلئے ایک ذکر، یاددہانی، نصیحت ہے‘‘ (سورۃ ص۔۸۶۔۸۷)

انسانوں کی اکثریت دوسروں کو باتیں، حدیثیں، علم، واقعات بتانے کیلئے اُن سے اجرت کے طلبگار ہوتے ہیں۔ بعض لوگوں کیلئے یہ بھی ایک روزگار ہے کہ لوگوں کو چٹخنی، چٹپٹی، مزاحیہ، مزیدار، پُراسرار باتیں، حدیثیں، کہانیاں سناتے ہیں۔ آقائے نامدار ﷺ نے واضح فرمایا کہ جو باتیں لوگوں کو وہ سنا رہے ہیں اس کیلئے اُن سے کسی اجرت کے طلبگار نہیں اور نہ ان سے اس کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

وَمَآ أَنَا۠ مِنَ ٱلْمُتَكَلِّفِينَ ۞ کا عام طور پر ترجمہ یوں کیا جاتا ہے ’’اور نہ میں دکھاوے، بناوٹ کرنیوالوں میں سے ہوں، (nor I am a pretender)۔ ٱلْمُتَكَلِّفِينَ کا مادہ ’’ک ل ف‘‘ ہے اور معنی سیاہی مائل زردی، سیاہی مائل زرد، مشقت کے باوجود جس کام کو برداشت کیا جائے۔ ایسے کام کا پابند کرنا جو کسی پر گراں گزرے، بوجھ محسوس ہو۔ رسولِ کریم ﷺ نے دو باتیں فرمائی ہیں ’’میں تم سے اس (قرآنِ مجید سنانے) کی کوئی اجرت نہیں مانگتا‘‘۔

أَمْ تَسْـَٔلُهُمْ أَجْرًا فَهُم مِّن مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُونَ ۞

’’یا کیا آپ (ﷺ) ان سے اجرت مانگتے ہیں اور وہ تاوان کے بوجھ تلے دبے جا رہے ہیں؟‘‘ (من وعن ایک جیسی الطور۴۰، القلم۔۴۶)

أَجْرًا کو بوجھ کہا گیا۔ کسی پر بوجھ ڈالنے کا ایک انداز کسی پر دباؤ ڈالنا اور جبراً کوئی بات منوانا ہے، کسی کو اس طرح پابند کرنا ہے جو اسے گراں

گزرے اور بوجھ محسوس ہو۔ آقائے نامدار ﷺ نے لوگوں سے وہ بات فرمائی جو اللہ تعالیٰ نے انہیں کہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا

نَحۡنُ أَعۡلَمُ بِمَا يَقُولُونَۖ وَمَآ أَنتَ عَلَيۡهِم بِجَبَّارٍۖ

''ہم خوب جانتے ہیں جو باتیں وہ کہتے ہیں۔ (کہنے دیں انہیں)

اور آپ (ﷺ) ان پر زبردستی کرنے، کسی قسم کا دباؤ ڈالنے، جبراً باتیں منوانے والے نہیں ہیں

فَذَكِّرۡ بِٱلۡقُرۡءَانِ مَن يَخَافُ وَعِيدِ ۝

اس لئے آپ (ﷺ) قرآن (مجید) سے نصیحت کرتے رہیں اسے جو میری تنبیہ سے ڈرتا ہے'' (سورۃ ق۔۴۵)۔

آقائے نامدار ﷺ پر درود و سلام ہے صبح و شام۔

وَمَا يَنطِقُ عَنِ ٱلۡهَوَىٰٓ ۝٣

''اور نہ وہ اپنی خواہش (تخیل) سے لوگوں کو باتیں بیان کرتے ہیں''۔

انسان اپنے متعلق یہ بات خود کہے تو ماننے میں کوئی پس و پیش کر سکتا ہے۔ اللہ کے فرمان اور گواہی سے انکار ممکن نہیں۔

آقائے نامدار ﷺ کے ان فرمانوں سے اظہر من الشمس ہے کہ قرآنِ مجید میں بتائی گئی باتوں کے علاوہ انہوں نے لوگوں سے کچھ نہیں کہا لیکن لوگوں کی خواہش تھی اور آقائے نامدار ﷺ سے مطالبہ کرتے تھے کہ آپ ﷺ قرآن مجید کے علاوہ اپنی جانب سے کچھ باتیں، حدیثیں لوگوں کو سنائیں اور بتائیں۔ ان کی خواہش تھی کہ آپ ﷺ ادھر اُدھر کی باتوں سے انتخاب کر کے کوئی آیت تالیف کر لیں اور قرآنِ مجید کی باتوں کو دوسری باتوں سے بدل دیں۔ اُن لوگوں کے ارادوں کے متعلق آقائے نامدار ﷺ کو یوں مطلع اور واضح فرمایا

وَلَوۡلَا فَضۡلُ ٱللَّهِ عَلَيۡكَ وَرَحۡمَتُهُۥ لَهَمَّت طَّآئِفَةٞ مِّنۡهُمۡ أَن يُضِلُّوكَ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّآ أَنفُسَهُمۡۖ وَمَا يَضُرُّونَكَ مِن شَيۡءٖۚ وَأَنزَلَ ٱللَّهُ عَلَيۡكَ ٱلۡكِتَٰبَ وَٱلۡحِكۡمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمۡ تَكُن تَعۡلَمُۚ وَكَانَ فَضۡلُ ٱللَّهِ عَلَيۡكَ عَظِيمٗا ۝١١٣

''اے نبی (ﷺ)! اگر اللہ کا فضل آپ پر نہ ہوتا اور اس کی رحمت آپ کے شامل حال نہ ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ نے تو اپنے تئیں آپ کو غلط فہمی (غفلت) میں مبتلا کرنے کا ارادہ کر لیا تھا حالانکہ درحقیقت اپنے سوا کسی کو غلط فہمی (غفلت) میں مبتلا نہیں کر رہے تھے اور آپ کا کوئی نقصان نہیں کر سکتے تھے۔ اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے یعنی آپ کو وہ علم دیا ہے جو پہلے آپ کو معلوم نہ تھا۔ اور اس کا آپ (ﷺ) پر عظیم فضل ہے'' (النساء۔۱۱۳)

وَإِن كَادُواْ لَيَفۡتِنُونَكَ عَنِ ٱلَّذِيٓ أَوۡحَيۡنَآ إِلَيۡكَ لِتَفۡتَرِيَ عَلَيۡنَا غَيۡرَهُۥۖ وَإِذٗا لَّٱتَّخَذُوكَ خَلِيلٗا ﴿٧٣﴾

''اور (اے رسولِ کریم ﷺ!) ان کا ارادہ تھا کہ آپ کو اس کے متعلق آزمایا جائے جو ہم نے آپ (ﷺ) کو وحی کیا ہے
تا کہ آپ کچھ اختراع کریں جو نازل کردہ سے غیر (علاوہ) ہو۔
اگر آپ (ﷺ) نے ان کی خواہش مان لی ہوتی تو انہوں نے آپ کو دوست بنالیا ہوتا'' (الاسراء۔۷۳)

کَادُوا۔ جمع مذکر غائب۔ قریب تھے، جو کسی شئے کے قریب ہوتا ہے وہ اس کا ارادہ کہلاتا ہے۔ ''ھَمَّتْ'' کے معنی بھی ارادہ کرلینا ہیں۔

وَلَوۡلَآ أَن ثَبَّتۡنَٰكَ لَقَدۡ كِدتَّ تَرۡكَنُ إِلَيۡهِمۡ شَيۡـٔٗا قَلِيلًا ﴿٧٤﴾

اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو (یہ ارادہ کرنے والوں کا خیال/نقطہ نظر تھا) شاید کہ
ان کی طرف معمولی جھکاؤ کی کوئی تدبیر کرتا'' (الاسراء۔۷۴)

فَلَا تُطِعِ ٱلۡمُكَذِّبِينَ ﴿٨﴾ وَدُّواْ لَوۡ تُدۡهِنُ فَيُدۡهِنُونَ ﴿٩﴾

''اس لئے آپ (ﷺ) جھٹلانے والوں کی بات نہ مانیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ آپ کچھ نرم پڑ جائیں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں'' (القلم۔۸۔۹)

آقائے نامدار ﷺ کے دوٹوک فرمان کے بعد اُن سے اپنی ذاتی طور پر منتخب کی گئی باتوں پر مبنی آیتیں تالیف کرانے اور قرآنِ مجید کو اُن کے اپنے ادراک وبصیرت کی باتوں سے بدلوانے کے شائقین کے موہوم ارادوں اور خواہشات پر اوس پڑ گئی۔ ان کی امیدیں بجھ گئیں۔ آپ ﷺ کے قرآنِ مجید کے علاوہ انہیں کوئی بات سنانے، بتانے اور تحریر میں دینے سے انکار پر ثابت قدم رہنے سے آپ ﷺ کے طریقہ کار، دین سے وہ لوگ مایوس ہو گئے۔ کتاب، قرآنِ مجید کی بات کو سننے کیلئے وہ لوگ تیار نہیں تھے اور اُس کی کسی بات کو رد کرنے کیلئے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی۔ اس لئے قرآنِ مجید سے اجتناب کرنے کا اس کے علاوہ کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ اُسے سنانے والے ہی سے اس خواہش کا اظہار کر دیا جائے کہ اپنی صوابدید سے قرآنِ مجید کے علاوہ اپنے علم وبصیرت سے وہ کچھ باتیں بنائے اور انہیں سنائے۔ مفاد کے بھنور میں پھنسے لوگوں کی عجیب نفسیات ہے کہ اپنی ہی کہی ہوئی باتوں کو بھول کر ڈھٹائی سے جھوٹ بولنے پر اتر آتے ہیں جن کی فہم وبصیرت اور ادراک پر اس انتہا کے اعتماد کا اظہار کرتے تھے کہ آیتیں تصنیف کرنے اور قرآنِ مجید کو اپنی باتوں سے بدلنے کی خواہش کا اظہار کرتے اب اپنے لوگوں کے سامنے ایک نئی فرمائش کے ساتھ یہ کہنا شروع کر دیتے ہیں:

بَلۡ قَالُوٓاْ أَضۡغَٰثُ أَحۡلَٰمِۭ بَلِ ٱفۡتَرَىٰهُ بَلۡ هُوَ شَاعِرٞ فَلۡيَأۡتِنَا بِـَٔايَةٖ كَمَآ أُرۡسِلَ ٱلۡأَوَّلُونَ ﴿٥﴾

نہیں، بلکہ وہ کہتے ہیں ''یہ پراگندہ خواب ہیں، نہیں (یہ پراگندہ خواب نہیں) درحقیقت اس نے اسے گھڑ لیا ہے،
نہیں، اس نے اسے گھڑ نہیں لیا بلکہ وہ ایک شاعر ہے۔ ورنہ وہ بھی اس طرح کوئی نشانی لائے جیسے پہلے رسول بھیجے گئے تھے'' (الانبیاء۔۵)

أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهِۦ رَيْبَ ٱلْمَنُونِ ﴿٣٠﴾

کیا وہ کہتے ہیں ''یہ ایک شاعر ہے جس کیلئے ہم زمانے کے حوادث، بے یقینی کا انتظار کر رہے ہیں'' (الطور۔۳۰)

آقائے نامدار ﷺ کے دوٹوک فرمان کے بعد کہ تِلْقَآيِ نَفْسِيٓ سے باتیں کہتے ہیں اور نہ اس کے زیر اثر اپنے اعمال کو سرانجام دیتے ہیں بلکہ اپنے پر نازل کردہ قرآن مجید کی اتباع کرتے ہیں اہل ثروت اکابرین اُن سے مایوس ہو کر قرآن مجید کے متعلق لوگوں کو تذبذب کا شکار کرنے کیلئے خیال آرائی کرتے ہیں کہ شاید یہ پراگندہ خواب ہیں۔ لیکن یہ جانتے ہوئے کہ حکمت بھری باتوں کو پراگندہ خواب تسلیم کرانا ممکن نہیں تو خود ہی اس خیال کی نفی کرتے ہوئے لوگوں سے کہتے کہ اس نے خود ہی گھڑ لیا ہے۔ جھوٹے لوگوں کی نفسیات کو سمجھ لیں۔ یہ بات کہنے والے وہ لوگ ہیں جو آقائے نامدار ﷺ سے کہتے تھے کہ قرآن مجید کی بجائے آپ خود ہی ادھر ادھر کی باتیں جمع کر کے ہمیں بتائیں یعنی باتیں گھڑ لیں۔ مکہ اور طائف کے اہل ثروت کو یہ احساس بھی تھا کہ جن عام لوگوں کے سامنے یہ خیال آرائی کر رہے ہیں انہیں بھی آقائے نامدار ﷺ کے اخلاق و کردار، رویے اور روش کے متعلق کچھ نہ کچھ علم ہو سکتا ہے کہ وہ باتیں گھڑنے والے نہیں ہیں اس لئے اپنے اس خیال کی بھی خود ہی نفی کرتے ہوئے اُنہیں لوگوں کے سامنے ایک شاعر قرار دے دیا۔ اس طرح لوگوں کو تاثر دینے کی کوشش کرتے کہ آقائے نامدار ﷺ جو کچھ لوگوں کو بتا رہے ہیں اگر انہیں من گھڑت نہ بھی سمجھا جائے تو زیادہ سے زیادہ اسے شاعرانہ خیال آرائی کہا جا سکتا ہے۔ عرب کے ان اہل ثروت کی باتوں سے واضح ہے کہ ان کے نزدیک بھی شاعروں کی باتیں سچائی اور حقیقت سے عاری محض تخیل کی پرواز پر مبنی ہوتی تھیں اور یہ کہ شاعر اتنے معزز و مکرم نہیں ہوتے کہ ان کی باتوں کو قابل بھروسہ سمجھا جائے اس لئے لوگوں سے کہتے کہ اگر وہ شاعر نہیں ہیں تو وہ بھی کوئی نشانی (معجزہ) لائیں جیسے نشانیوں کے ساتھ پہلے رسولوں کو بھیجا گیا تھا۔

زمانہ جاہلیت (دور جذباتیت، روایت پرستی، تقلید، emotionalism) کے سرداروں اور اکابرین نے اپنے اقوال سے ثابت کیا ہے کہ وہ بھی اپنے زمانے کے شاعروں کی باتوں کو درخور اعتناء اور سنجیدگی سے لینے کے لائق نہیں سمجھتے تھے۔ کیا یہ عجیب بات اور المیہ نہیں اگر آج قرآن مجید کی ''تفسیر'' کے مقدموں میں زمانہ جاہلیت کے شعراء کے کلام پر عبور کو کوئی باعث افتخار سمجھے اور اسے قرآن مجید کو سمجھنے کی ایک اہم شرط بھی قرار دے؟ زمانہ جاہلیت کا شاعرانہ کلام وہ ہے جسے شاعروں کی وفات کے ڈھائی تین سو سال بعد (عجمیوں کے ہاتھوں) ضبط تحریر میں لایا گیا تھا۔ مانا کہ عشقیہ اور سطحی شاعری کئی لوگوں کو کافی عرصے تک یاد رہتی ہے لیکن علامہ اقبال کی سنجیدہ شاعری تخلیق کے اول دن سے تحریری شکل میں موجود ہونے کے باوجود آج کتنے لوگوں کے حافظے میں سلامت ہے جب کہ انہیں گزرے ہوئے ابھی صدی بھی نہیں ہوئی؟ اور زمانہ جاہلیت کی عشقیہ شاعری اور ان کے لغو تخیل کی پرواز یہاں تک ہے کہ چاہیں تو ''شجر'' کو عورت کی شرمگاہ بنا دیں أَسْتَغْفِرُ ٱللَّهَ ۔ خواتین مجھے معاف فرمائیں کہ عورت پیکر حیا ہے اور اس کے جسم کا تقدس اس قدر ہے کہ اللہ رب العزت نے اس کا ڈھانچہ بھی نہیں بنایا کہ ملائکہ اور ابلیس کی نگاہ میں بھی نہ آئے۔

کیا عجب ہے کہ جاھلیت کی شاعری سے لیس ہوکر ''تفسیر'' کرنا اس کی مقصود ہے جس نے زمانہ جاھلیت کے اہل ثروت کے لغو قول کی نفی کرتے ہوئے فرمایا

وَمَا عَلَّمْنَٰهُ ٱلشِّعْرَ وَمَا يَنۢبَغِى لَهُۥٓ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْءَانٌ مُّبِينٌ ﴿٦٩﴾

''ہم نے انہیں (رسول کریم کو) شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ ان کیلئے یہ زیبا ہے۔ یہ ایک ذکر یعنی واضح قرآن مجید ہے'' (سورۃ یٰس۔۶۹)۔

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ﴿٤١﴾

''اور یہ (قرآن مجید) کسی شاعر کا قول نہیں (کہ ماننے میں تذبذب ہو) مگر تم کم ہی مانتے ہو'' (سورۃ الحاقۃ۔۴۱)۔

اللہ رب العزت نے صالح اعمال پر کاربند ایمان والوں کے علاوہ شاعروں کی اخلاقی اور ذہنی کیفیت یوں طشت از بام فرمائی ہے

وَٱلشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ ٱلْغَاوُۥنَ ﴿٢٢٤﴾ ''اور شاعروں پر، ان کی پیروی صرف بہکے ہوئے لوگ کرتے ہیں''

أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِى كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ﴿٢٢٥﴾ ''کیا تو نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں سر مارتے ہیں

وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ﴿٢٢٦﴾ اور یہ کہ جو کہتے ہیں اس پر خود عمل نہیں کرتے'' (الشعراء۔۲۲۴۔۲۲۶)۔

اور معلوم ہے کہ صالح اعمال پر کاربند ایمان والوں کے علاوہ شاعروں کے اخلاقی انحطاط کو کس سلسلے میں عیاں کیا گیا؟ بتانا یہ مقصود ہے

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ ٱلشَّيَٰطِينُ ﴿٢٢١﴾

''کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں؟'' (الشعراء۔۲۲۱)۔

صالح مومن کے علاوہ شاعروں پر شیطان اترتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ان فرمودات سے زمانہ جاھلیت کے شعراء کو استثناء دینا کیا بیوقوفی اور بہکنا نہیں؟ کتاب لاریب نہ صرف زمان ومکان کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے بلکہ اس کے وجود پذیر ہونے سے قبل اور لپیٹ دیئے جانے کے بعد پیش آنے والے حقائق کو بھی واضح طور پر بیان کرتی ہے۔ لسان کے کسی ماہر کی ترتیب دی ہوئی لغت کے ذریعے انہیں سمجھنے میں مشکل اور پیچیدگی ہوتی اس لئے قرآنِ مجید اپنے الفاظ اور اصطلاحات کے معنی اور مفہوم، حدود، گہرائی اور وسعت کا تعین بھی خود کرتا چلا جاتا ہے۔ اپنی بات کو خارجی ذرائع کی صوابدید پر نہیں چھوڑتا۔ لغات القرآن کو قرآنِ مجید نے خود اپنے اندر ترتیب دے رکھا ہے۔ قرآن مجید کو سمجھنے کیلئے زمانہ جاھلیت کی لغو شاعری سے ''استفادہ'' کرنے کی قطعی ضرورت نہیں کہ خود سمجھنے کیلئے یقیناً آسان ہے۔ بتایا:

فَإِنَّمَا يَسَّرْنَٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾

''ہاں! بیشک ہم نے اس (قرآنِ مجید) کو آپ (ﷺ) کی زبان میں آسان کردیا ہے تاکہ وہ لوگ نصیحت لیں'' (الدخان۔۵۸)۔

اور اس حقیقت کو من وعن ایک جیسے الفاظ میں پھر چار مرتبہ دہرایا:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا ٱلْقُرْءَانَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ۝

''اور یقیناً ہم نے قرآن (مجید) کو سمجھنے اور نصیحت کے لئے آسان کر دیا ہے، اب ہے کوئی نصیحت لینے والا!'' (سورۃ القمر۔۱۷،۲۲،۳۲،۴۰)

کائنات کے صادق اور امین آقائے نامدار، رسولِ کریم ﷺ نے لوگوں کو بتایا کہ جو کچھ وہ بتا رہے ہیں وہ ان کی حدیث ہیں اور نہ انہوں نے انہیں از خود لکھ لیا ہے بلکہ

قُلْ أَنزَلَهُ ٱلَّذِى يَعْلَمُ ٱلسِّرَّ فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۚ

''آپ (ﷺ) کہہ دیں ''اِس کو اُس نے نازل کیا ہے جو آسمانوں اور زمین کا بھید جانتا ہے'' (حوالہ الفرقان۔۶)

آقائے نامدار رسولِ کریم ﷺ نے لوگوں کو باتیں بتا کر دعوت ایمان دینے سے قبل چالیس سال ان کے بیچ گزارے تھے

قُل لَّوْ شَآءَ ٱللَّهُ مَا تَلَوْتُهُۥ عَلَيْكُمْ وَلَآ أَدْرَىٰكُم بِهِۦ ۖ

آپ (ﷺ) فرمائیں ''اگر اللہ چاہتا تو میں تمہیں یہ سناتا اور نہ وہ تمہیں اس کی خبر ہونے دیتا

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِۦٓ ۚ

اس لئے کہ میں تو اس سے قبل ایک عمر تمہارے درمیان رہ چکا ہوں''۔

آقائے نامدار رسولِ کریم ﷺ نے ان کے بیچ بیتائی ہوئی اپنی عمر کو اس پر گواہ کیا اور دلیل بنایا کہ جو باتیں وہ کہہ رہے ہیں ان کی اپنی باتیں نہیں ہیں بلکہ آسمانوں اور زمین کے بھید جاننے والے اللہ تعالیٰ کی قرآنِ مجید میں نازل کردہ ہیں۔ اور فرمایا

أَفَلَا تَعْقِلُونَ ''تو کیا تم تعقل نہیں کرتے؟'' (اس نکتے پر غور و فکر نہیں کرو گے، تعقل معلومات کے بعد کا مرحلہ ہے) (سورۃ یونس۔۱۶)

انسان عقل و فکر سے کام لے تو احساس ہوگا کہ انسان جب کسی سے کلام کرتا ہے تو اس کا سبب اس کی یادداشت پر نقش مشاہدات، تجربات اور علم ہوتا ہے۔ آقائے نامدار ﷺ لوگوں کو سمجھا رہے ہیں کہ ایک طرف ان سے یہ مطالبہ کرتے ہو کہ اپنی بصیرت و ادراک سے تمہیں آیتیں بنادیں یا قرآنِ مجید بدل دیں لیکن اس نکتے پر غور و فکر کرنے کی اہمیت نہیں سمجھتے کہ ایک عمر تک انہوں نے لوگوں سے یہ باتیں نہیں کہی تھیں اور ان کا اپنا مشاہدہ اور علم تھا کہ یہ باتیں آقائے نامدار ﷺ کی اپنی یادداشتوں پر مبنی نہیں ہیں۔ کاش کہ ہم بھی روایتوں کے سحر کو اپنی بصیرت اور ادراک سمجھنے کی بجائے آقائے نامدار ﷺ کے فرمان کو غور سے سن لیں

إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰٓ إِلَىَّ ۖ ''میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے''۔

آقائے نامدار رسولِ کریم ﷺ پر درود و سلام ہے ہر لحہ صبح و شام۔

آقائے نامدار ﷺ نے لوگوں کو بتایا کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں ان کی اپنی بات اور تصنیف نہیں اور اللہ رب العزت نے رسولِ کریم ﷺ

کی زبان مبارک سے یہ اعلان کرایا

قُل لَّئِنِ ٱجۡتَمَعَتِ ٱلۡإِنسُ وَٱلۡجِنُّ عَلَىٰٓ أَن يَأۡتُواْ بِمِثۡلِ هَٰذَا ٱلۡقُرۡءَانِ لَا يَأۡتُونَ بِمِثۡلِهِۦ وَلَوۡ كَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٖ ظَهِيرٗا ﴿٨٨﴾

''آپ (ﷺ) کہہ دیں ''اگر انسان اور جنات تمام اس بات پر جمع ہو جائیں کہ اس قرآن (مجید) جیسا لے آئیں تو وہ اس جیسا نہ لا سکیں گے اگرچہ ایک دوسرے کے وہ مددگار ہو جائیں'' (سورۃ الاسراء۔۸۸)

قرآنِ مجید نازل فرمایا گیا تو

ءَامَنَ ٱلرَّسُولُ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيۡهِ مِن رَّبِّهِۦ

''رسول ایمان لائے اس پر جو ان کے رب کی جانب سے نازل فرمایا گیا'' (حوالہ البقرۃ۔۲۸۵)

اور آقائے نامدار ﷺ سے یہ بات لوگوں کو واضح اور دوٹوک یوں بتانے کیلئے کہا

وَقُلۡ ءَامَنتُ بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ مِن كِتَٰبٖۖ

''اور آپ (ﷺ) کہیں ''میں اس پر ایمان لایا جو اللہ نے کتاب (قرآنِ مجید) میں نازل کیا ہے'' (حوالہ الشوریٰ۔۱۵)

آقائے نامدار ﷺ کا فرمان تو یہ ہے کہ ان کا ایمان صرف اس وحی پر ہے جو کتاب میں نازل کی گئی ہے۔ لیکن بعض لوگ نہ جانے اپنے کس ایمان کو پکا کرنے کیلئے ''متلو'' اور ''غیر متلو'' وحی کی بحثوں میں خود بھی الجھتے رہے اور دوسروں کو بھی اس ''خوض'' میں ڈال دیا۔

اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے علاوہ عام انسانوں پر وہ وحی نازل نہیں ہوتی جس میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے اُس کا کلام اور ہدایت رسول تک پہنچائی جاتی ہے تاکہ رسول اسے لوگوں تک پہنچائے۔ اس لئے یہ فیصلہ دیا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی بات جس نے مانی (اطاعت) اُس نے درحقیقت اللہ تعالیٰ کی بات مانی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا رسول لوگوں تک وہی بات پہنچاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اُن پر نازل فرمائی ہے۔ اور یہ حقیقت بھی ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول لوگوں کو وہی بات سناتے ہیں جو انہیں کتاب میں وحی کی جاتی ہے کیونکہ اُن کا اپنا ایمان بھی صرف اس وحی پر ہوتا ہے اور دوسروں سے بھی کتاب میں وحی کی گئی پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔

وَٱتۡلُ مَآ أُوحِيَ إِلَيۡكَ مِن كِتَابِ رَبِّكَۖ (حوالہ الکہف۔۲۷)

''اور (اے رسول کریم ﷺ!) جو تیری طرف وحی کیا گیا ہے تیرے رب کی کتاب میں اسے (من وعن ہر ایک کو) سنادیں''

قُلۡ إِنَّمَآ أُنذِرُكُم بِٱلۡوَحۡيِۚ

''آپ (ﷺ) کہہ دیں ''میں تو تم لوگوں کو وحی کے ذریعے سے ہی خبردار کرتا ہوں'' (حوالہ الانبیاء۔۴۵)

اَتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿٤٥﴾

''آپ (ﷺ) اس میں سے سنائیں جو کتاب میں آپ پر وحی کیا گیا ہے اور نماز قائم کریں۔ یقیناً نماز فحاشی اور برائی سے روکتی ہے۔
اور بیشک اللہ کا ذکر (اسے ہر وقت یاد رکھنا) بڑی بات ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے جانتا ہے'' (العنکبوت۔۴۵)

وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ

(آپ ﷺ نے فرمایا) ''اور (مجھے حکم دیا گیا ہے کہ) میں قرآن (مجید) سناؤں'' (حوالہ النمل۔۹۲)

''الوحی'' کے معنی لغت میں اشارہ بیان کئے جاتے ہیں جس میں تیزی اور سرعت ہو۔ جناب راغب نے کہا اور صاحب تاج نے اس کی تائید کی ہے کہ الوحی کے معنی تیز اشارہ ہیں۔ ابن فارس اور جناب راغب نے بھی کہا ہے کہ الوحی کے معنی کتابت یعنی لکھنا بھی ہیں۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ وہ چیز جسے تم کسی کی طرف پہنچاؤ اور اسے اس کا علم ہو جائے وحی کہلاتی ہے خواہ اسے پہنچانے کی کیفیت کچھ بھی ہو، مخفی طور پر یا ویسے ہی۔ ارباب لغت کی محنت و کاوش اور ان کا ادب و احترام اپنی جگہ لیکن جو صاحب وحی نہیں اس کا وحی کی نوعیت اور کیفیت کے متعلق بیان رائے رتخیل سے زیادہ وزن نہیں رکھتا۔ ''الوحی'' کا تعلق علم شئے سے نہیں ہے اس لئے اس کے معنی اور مفہوم وہی طے کر سکتا ہے جو صاحب وحی ہے یا وہ کتاب جو خود وحی کی گئی ہے۔ ارشاد فرمایا

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَاۗئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿٥١﴾

''اور کسی بشر کیلئے یہ نہیں ہے کہ اللہ اس سے کلام کرے سوائے بذریعہ وحی، یا آڑ، رکاوٹ کے پیچھے سے،
یا کوئی رسول بھیجے اور وہ اس کی اجازت سے اور جو اللہ چاہے وہ وحی کرے۔ وہ عالی مرتبہ اور دانا ہے'' (الشوریٰ۔۵۱)

قرآن مجید نے بتایا کہ ''وحی'' وہ ذریعہ **(medium)** ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلام کو کسی بشر تک پہنچاتا ہے۔ دوسروں سے کلام ''رَمْزًا'' بھی کیا جا سکتا ہے۔

قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۭ (حوالہ آل عمران۔۴۱)

''اس نے کہا ''تیرے لئے نشانی یہ ہے کہ (اگرچہ تو گونگا نہیں) تین دن (رات) لوگوں سے کلام نہیں کر سکے گا سوائے اشارے سے''

اور یہ بھی واضح رہے کہ محض صوت (الفاظ کے بغیر آواز) کو کلام کرنا نہیں کہا جاتا۔ سامری کے بنائے ہوئے بچھڑے میں سے آواز آتی تھی

أَلَمْ يَرَوْا أَنَّهُۥ لَا يُكَلِّمُهُمْ

''کیا انہوں نے غور نہ کیا کہ وہ تو ان سے کلام نہیں کرتا'' (حوالہ الاعراف۔۱۴۸)

أَفَلَا يَرَوْنَ أَلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا

(آواز نکلتی تھی تو کیا ہوا) ''تو کیا وہ دیکھتے نہ تھے کہ وہ ان سے قولاً رجوع (مخاطب) نہیں کرتا'' (حوالہ طہٰ۔۸۹)

قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کی ''وحی'' کے متعلق یہ قطعی نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو بذریعہ اشارہ (رَمْزًا) کسی بشر تک پہنچایا جاتا ہے۔ اور صوتی اشارے (مثلاً خطرے اور خطرہ ٹل جانے کا سائرن) کے بھی کوئی معنی اور مفہوم نہیں ہوتا جب تک لوگوں کے مابین معروف نہ ہو یعنی پہلے سے لوگوں نے اس کا مفہوم طے کر رکھا ہو۔ اس لئے یہ گمان کرنا کہ ''وَحْيًا'' کلام کرنے کا مفہوم ''تیز اشارے'' سے کلام کرنا ہے تو وحی پانے والے بشر کو پہلے اس ''تیز اشارے'' کے معنی اور مفہوم سے قبل از وحی بذریعہ کلام آگاہ کرنا ضروری ہوگا۔

قرآن مجید نے ''وَحْيًا'' کے بنیادی معنی اور مقصد کلام کو بشر تک پہنچانا بتائے ہیں۔ اس لئے انسانوں کے مابین کلام (سوائے تکلیم، باہمی گفتگو) کو دوسروں تک پہنچانے کا جو کوئی بھی انداز اختیار کیا جا سکے اس کیلئے لفظ ''وحی'' استعمال کیا جا سکتا ہے۔ سیدنا زکریا علیہ السلام کو بتایا گیا تھا کہ وہ لوگوں سے کلام نہیں کر سکیں گے سوائے رَمْزًا۔ اس کا مادہ ''ر م ز'' ہے اور معنی جنبش و حرکت کے ہیں۔ اس سے اس کے معنی اشارے کے ہیں خواہ وہ ہونٹوں سے کیا جائے، یا آنکھوں سے، یا ابروؤں سے، یا منہ، ہاتھ سے (محیط، تاج)

فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِۦ مِنَ ٱلْمِحْرَابِ فَأَوْحَىٰٓ إِلَيْهِمْ أَن سَبِّحُوا۟ بُكْرَةً وَعَشِيًّا ﴿١١﴾

''پھر جب وہ محراب سے نکل کر اپنی قوم کے سامنے آئے تو انہیں اشارے سے کہا کہ ''صبح و شام تسبیح کرو'' (مریم۔۱۱)

سیدنا زکریا علیہ السلام کو اشارے سے کلام کرنے کی نشانی بتاتے ہوئے نصیحت کی گئی تھی کہ ''وَاذْكُر رَّبَّكَ كَثِيرًا'' (اپنے رب کو کثرت سے یاد کر) اور شام اور صبح تسبیح کر (حوالہ آل عمران۔۴۱)۔ اس طرح واضح ہے کہ یہاں ''أَوْحَىٰٓ'' کے معنی ہاتھوں کے اشارے سے اپنی بات کسی دوسرے تک پہنچانا ہے۔ اشارے سے دوسرے تک کلام پہنچانے کیلئے ضروری ہے کہ دوسرا شخص آپ کو دیکھ رہا ہو۔

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ ٱلْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ ٱلصُّمَّ ٱلدُّعَآءَ إِذَا وَلَّوْا۟ مُدْبِرِينَ ﴿٨٠﴾

فَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ ٱلْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ ٱلصُّمَّ ٱلدُّعَآءَ إِذَا وَلَّوْا۟ مُدْبِرِينَ ﴿٥٢﴾

''بیشک آپ (ﷺ) مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ اُن بہروں کو پکار سنا سکتے ہیں جب پیٹھ پھیر کر وہ مڑ جائیں'' (النمل۔۸۰، الروم۔۵۲)

قرآن مجید کتاب لاریب ہے۔ دوٹوک بیانِ حقیقت ہے۔ قرآن مجید آدھا سچ بیان نہیں کرتا۔ اس کی ہر بات نپی تلی ٹھوس حقیقت ہے۔

قوتِ سماعت سے محروم بہرے لوگ اگر بات سننے اور سمجھنے پر مائل ہوں اور داعی کی طرف دیکھ رہے ہوں تو انہیں اشاروں کی زبان میں بات سنائی اور سمجھائی جاسکتی ہے۔ لیکن ان دو آیات میں یہ بتایا کہ حقیقی بہروں کو بات نہیں سنائی جاسکتی اگر پیٹھ پھیر کر وہ چل دیں کہ داعی کو دیکھ نہ سکیں تو پھر داعی کیلئے ان کی حیثیت مردوں جیسی ہو جاتی ہے۔

''وَحۡیًا'' اللہ تعالیٰ کا کسی بشر سے کلام کرنے (یُکَلِّمَ ۔ کسی سے بات کرنے) کا ایک انداز ہے۔ کلام اور کَلِمَۃٌ (جو مؤنث ہے) کا مادہ ''ک ل م'' ہے۔ کَلِمَۃٌ (جمع کَلِمٰتٌ) کے معنی ایک بات، ایک جملہ یا ایک قصیدہ، یا ایک خطبہ ہیں۔

فَتَلَقَّىٰٓ ءَادَمُ مِن رَّبِّهِۦ كَلِمَٰتٍ فَتَابَ عَلَيۡهِۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلتَّوَّابُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٣٧﴾

''پھر آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھ لئے اور اس نے ان کی توبہ قبول کر لی۔
بیشک وہی توبہ قبول کرنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے'' (البقرۃ ۔ ۳۷)

اور جن کلمات سے آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ نے توبہ کیلئے رجوع کیا تھا انہیں سورۃ الاعراف کی آیت ۲۳ میں یوں بتایا گیا ہے:

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمۡنَآ أَنفُسَنَا وَإِن لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَتَرۡحَمۡنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ ٱلۡخَٰسِرِينَ ﴿٢٣﴾

''وہ دونوں بولے'' ہمارے رب! ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور رحم نہ کیا
تو ہم ضرور نقصان پانے والوں میں ہو جائیں گے''۔

اور کسی کی باتوں (حدیثوں) کے محفوظ کیے ہوئے مجموعہ کو اُس کا کلام کہا جاتا ہے۔ اور کسی کے مجموعہ کلام کو انسان اپنی یادداشتوں میں محفوظ کر سکتا ہے اور پھر اس کلام کو دوسروں کو سنا سکتا ہے۔ اور کلام کو محفوظ کرنے کا بہترین انداز اسے تحریری شکل دینا ہے۔ اور کسی بھی تحریری مجموعہ کلام کی صحت کا اعتبار تبھی کیا جاسکتا ہے اگر اسے ضبطِ تحریر میں وہ بندہ لایا ہو جس نے وہ کلام خود سنا تھا یا کوئی بھی اپنے مجموعہ کلام کو تحریری شکل میں دوسرے کو تھما سکتا ہے۔

أَفَتَطۡمَعُونَ أَن يُؤۡمِنُواْ لَكُمۡ وَقَدۡ كَانَ فَرِيقٞ مِّنۡهُمۡ يَسۡمَعُونَ كَلَٰمَ ٱللَّهِ
ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُۥ مِنۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمۡ يَعۡلَمُونَ ﴿٧٥﴾ (البقرۃ ۔ ۷۵)

''(اے ایمان لانے والو! ان کے متعلق یہ سب باتیں جاننے کے بعد بھی) تو کیا تم اس بات کی خواہش کرتے ہو کہ تمہاری خاطر وہ ایمان لے آئیں؟ ان میں تو ایک فریق ایسا بھی ہے جو اللہ کا کلام سنتا ہے اور بعد ازاں جان بوجھ کر اس میں تحریف کرتا ہے جو محفوظ کیا ارسنا تھا''

وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ٱسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَٰمَ ٱللَّهِ ثُمَّ
أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُۥ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ ﴿٦﴾ (التوبہ۔٦)

''اور اگر مشرکین میں سے کوئی آپ (ﷺ) سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دیں یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام (قرآن مجید) سنے۔ بعدازاں
اسے حفاظتی حصار میں محفوظ مقام پر پہنچا دیں۔ یہ اس لئے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو (امیین۔ نازل کردہ کتاب کا) علم نہیں رکھتے''

سَيَقُولُ ٱلْمُخَلَّفُونَ إِذَا ٱنطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ ۖ
يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا۟ كَلَٰمَ ٱللَّهِ ۚ قُل لَّن تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ ٱللَّهُ مِن قَبْلُ ۖ
فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا ۚ بَلْ كَانُوا۟ لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٥﴾

''جب تم مال غنیمت لینے چلو گے تو پیچھے رہنے والے کہیں گے ''ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے دو، ہم تمہاری اتباع کریں گے''۔
وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے کلام کو بدل دیں۔ کہہ دیں ''تم ہماری اتباع ہرگز نہیں کرو گے کہ ایسا اللہ تمہارے متعلق پہلے ہی کہہ چکا ہے''۔
پھر وہ کہیں گے ''نہیں، بلکہ تم ہم سے حسد کرتے ہو'' نہیں، درحقیقت وہ بات کو کم ہی سمجھتے ہیں'' (الفتح۔١٥)

اللہ تعالی نے اپنا کلام (تورات) موسیٰ علیہ السلام کو الواح پر لکھی (کندہ) ہوئی تحریر کی صورت میں عطا فرمایا تھا

قَالَ يَٰمُوسَىٰٓ إِنِّى ٱصْطَفَيْتُكَ عَلَى ٱلنَّاسِ بِرِسَٰلَٰتِى وَبِكَلَٰمِى فَخُذْ مَآ
ءَاتَيْتُكَ وَكُن مِّنَ ٱلشَّٰكِرِينَ ﴿١٤٤﴾

''اس نے کہا ''موسیٰ (علیہ السلام)! میں نے تجھے منصب رسالت پر فائز کر کے اور اپنے کلام سے لوگوں میں ممتاز کیا ہے۔
پس جو میں نے تجھے (تحریری کلام) دیا ہے اسے تھام لیں اور ہمیشہ شکرگزاروں میں سے رہیں'' (الاعراف۔١٤٤)

اور اس عطا کردہ کلام کے متعلق فرمایا

وَكَتَبْنَا لَهُۥ فِى ٱلْأَلْوَاحِ مِن كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً

''اور ہم نے ان (موسیٰ علیہ السلام) کے لئے تختیوں پر ہر بات کے متعلق نصیحت لکھ دی تھی''

فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا۟ بِأَحْسَنِهَا ۚ

(اُن سے فرمایا تھا) ''اسے مضبوطی سے تھام لیں اور اپنی قوم کو حکم دیں کہ اس کی بہترین باتوں کو اختیار کریں'' (حوالہ الاعراف۔١٤٥)
کلام کو جب ضبط تحریر میں لایا جائے تو وہ کتاب کہلاتی ہے۔

باتوں کے محفوظ کئے ہوئے مجموعہ کو ''کلام'' کہا جاتا ہے اور کَلِمَۃ کے معنی ایک قول، ایک بات، ایک جملہ یا ایک قصیدہ، یا ایک خطبہ ہیں۔

إِذْ قَالَتِ ٱلْمَلَـٰٓئِكَةُ يَـٰمَرْيَمُ إِنَّ ٱللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ٱسْمُهُ ٱلْمَسِيحُ عِيسَى ٱبْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِى ٱلدُّنْيَا وَٱلْـَٔاخِرَةِ وَمِنَ ٱلْمُقَرَّبِينَ ﴿٤٥﴾

''جب ملائکہ نے کہا 'اے مریم (صدیقہ)! بیشک اللہ آپ کو بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہے اپنی اس بات کے ساتھ کہ دنیا اور آخرت میں معزز اور مقربوں میں سے ہوگا،

وَيُكَلِّمُ ٱلنَّاسَ فِى ٱلْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ ٱلصَّـٰلِحِينَ ﴿٤٦﴾

اور لوگوں سے گود میں اور پختہ عمر میں کلام کرے گا اور صالحین میں سے ہوگا'' (سورۃ آل عمران۔۴۵۔۴۶)

اللہ کی جانب سے سیدہ مریم صدیقہ کو ایک بیٹے کی بشارت دیتے ہوئے ان کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم بتایا گیا۔ اور ملائکہ نے کہا تھا کہ یہ خوشخبری اللہ کی جانب سے 'بِكَلِمَةٍ' ہے۔ حرف ''بِ'' کے معنی ہیں ''کے ساتھ''۔ قرآن مجید میں كَلِمَةٍ کہی ہوئی بات، دیئے ہوئے قول اور زبان، عہد، کئے ہوئے فیصلے کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِىَ بَيْنَهُمْ

''اور اگر تیرے رب کی طرف سے ایک بات طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا'' (حوالہ یونس ۱۹، ہود ۱۱۰، فصلت۔۴۵)

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِىَ بَيْنَهُمْ

''اور اگر تیرے رب کی طرف سے ایک معلوم وقت کی مدت کیلئے بات طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا گیا ہوتا''۔

وَلَوْلَا كَلِمَةُ ٱلْفَصْلِ لَقُضِىَ بَيْنَهُمْ

''اور اگر فیصلے کی بات طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا گیا ہوتا'' (حوالہ الشوریٰ۔۱۴ اور ۲۱)

جس كَلِمَةٌ یعنی بات کے متعلق سَبَقَتْ استعمال ہوا جو ماضی کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے اور معنی ''پہلے سے طے ہو چکی، پہلے سے ٹھہر چکی'' ہیں وہ اللہ کا أَجَلٍ مُّسَمًّى مقررہ ساعت کا وعدہ ہے۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَأَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿١٢٩﴾

''اور اگر تیرے رب کی جانب سے ایک بات طے نہ ہو چکی ہوتی تو ایسا ضرور ہو جاتا لیکن وقت مقررہ طے کیا جا چکا ہے'' (سورۃ طٰہٰ۔۱۲۹)

سیدہ مریم کو ''بِكَلِمَةٍ'' دی گئی خوشخبری میں كَلِمَةٍ عیسیٰ علیہ السلام کیلئے استعمال نہیں ہوا تھا کیونکہ وہ مذکر ہیں جبکہ كَلِمَةٍ

مؤنث ہے۔ چند مثالیں اور دیکھ لیتے ہیں

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا

''اور آپ (ﷺ) کے رب کی بات سچائی اور انصاف میں پوری ہوئی'' (حوالہ الانعام۔۱۱۵)

تَمَّتْ ماضی کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے اور معنی ہیں ''پوری ہوئی، پوری ہے''۔

كَذَٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ

''اس طرح تیرے رب کی بات سچ (پوری) ثابت ہوگئی ہے'' (حوالہ یونس ۳۳)

حَقَّتْ بھی ماضی کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے اور معنی ہیں ''ثابت ہوئی، ٹھیک پڑی''۔

مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ

''سچے وعدے (پاکیزہ بات) کی مثال ایک پاکیزہ درخت جیسی ہے، جس کی جڑ مضبوط ہو'' (حوالہ ابراہیم۔۲۴)

طَيِّبَةً، طَيِّبَةٍ صفت مشبہ کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے، شَجَرَةٍ بھی واحد مؤنث ہے اور ضمیر ''هَا'' مؤنث واحد کیلئے استعمال ہوتی ہے۔ سورۃ لقمان کی آیت ۲۷ میں ہے ''مَا نَفِدَتْ كَلِمَتُ اللهِ'' (اللہ تعالیٰ کی باتیں، کلمات ختم نہ ہوں) میں بھی **نَفِدَتْ** واحد مؤنث غائب ہے۔

قرآنِ مجید کے **كَلِمَةٍ** کے بتائے ہوئے معنی اور مفہوم سے واضح ہے کہ یہ عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی خطاب، نام، اعزاز وغیرہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی مذکر کو زنانہ، مؤنث خطاب نہیں دیتے۔ یہ مشرکین ہیں جو اپنے من گھڑت الہٰ کیلئے بھی مؤنث نام تجویز کرتے ہیں۔ سیدہ مریم کو ایک بیٹے مسیح ابن مریم کی خوشخبری دی گئی۔ سیدہ مریم صدیقہ کو اس کام کیلئے منتخب کیا گیا تھا کہ بغیر باپ کے ایک بیٹے کو تنہا وجود دیں گی۔ انسانی معاشرے میں ایسے بچوں کو بعض لوگ عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے جن کے والد کا معلوم نہ ہو۔ سلام ہو سیدہ مریم پر کہ اللہ رب العزت نے انہیں ابن مریم کی پیدائش سے قبل ان کی خوشخبری **بِكَلِمَةٍ** اپنے اس وعدے، قول، یقین دہانی کے ساتھ دی تھی **وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ** ''وہ دنیا اور آخرت میں معزز ہوگا''۔

اللہ تعالیٰ کا کسی بشر سے کلام کرنے (يُكَلِّمَ ۔ کسی سے بات کرنے) کا ایک انداز ''وَحْيًا'' ہے اور کلام کرنے کا منتہائے مقصود کسی کی سماعتوں کے ذریعے اُس کے دل و دماغ تک کوئی حدیث، قول اور زبان، عہد پہنچانا ہے۔ ''وَحْيًا'' کا اپنا انداز کیسا ہوتا ہے یہ تو وہی شخص بتا سکتا ہے جسے کبھی ''وحی'' وصول ہونے کا شرف حاصل ہوا ہو۔ لیکن ہمارے لئے اسے سمجھنے میں پیچیدگی اور پُر اسراریت کا بھی کوئی پہلو نہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ہماری سماعت یعنی کلام کو اٹھانے اور سمجھنے کی صلاحیت (sound waves) لہروں کے ارتعاش کو محسوس (detect) کرنے کا نام ہے۔

Sound is a series of vibrations moving as waves through air or other gases, liquids, or solids. Detection of these vibrations, or sound waves, is called hearing. After being collected by the auricles, sound waves pass through the outer auditory canal to the eardrum, causing it to vibrate. The vibrations of the eardrum are then transmitted through the ossicles, the chain of bones in the middle ear. As the vibrations pass from the relatively large area of the eardrum through the chain of bones, which have a smaller area, their force is concentrated. This concentration amplifies, or increases, the sound.

When the sound vibrations reach the stirrup, the stirrup pushes in and out of the oval window. This movement sets the fluids in the vestibular and tympanic canals in motion. To relieve the pressure of the moving fluid, the membrane of the oval window bulges out and in. The alternating changes of pressure in the fluid of the canals cause the basilar membrane to move. The organ of Corti, which is part of the basilar membrane, also moves, bending its hairlike projections. The bent projections stimulate the sensory cells to transmit impulses along the auditory nerve to the brain. In humans, hearing takes place whenever vibrations of frequencies from 15 hertz to about 20,000 hertz reach the inner ear. The hertz (Hz) is a unit of frequency equaling one vibration or cycle per second.

قرآنِ مجید نے بتایا کہ ''وحی'' وہ ذریعہ (medium) ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلام کو کسی تک پہنچاتا ہے۔ اور کلام باتوں، وعدوں اور احکام پر مشتمل ہوتا ہے۔

وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى ٱلْحَوَارِيِّـۧنَ أَنْ ءَامِنُوا۟ بِى وَبِرَسُولِى قَالُوٓا۟ ءَامَنَّا وَٱشْهَدْ بِأَنَّنَا مُسْلِمُونَ ﴿١١١﴾

''اور جب میں نے حواریون کو وحی کی (حکم دیا) کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ،
انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور آپ شاہد رہیں کہ ہم پورے فرمانبردار ہیں'' (المائدہ۔۱۱۱)

''أَوْحَيْتُ'' ماضی کا صیغہ واحد متکلم ہے اور معنی ہیں ''میں نے وحی کی''۔

إِذْ يُوحِى رَبُّكَ إِلَى ٱلْمَلَـٰٓئِكَةِ أَنِّى مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا۟ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ۚ سَأُلْقِى فِى قُلُوبِ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ ٱلرُّعْبَ فَٱضْرِبُوا۟ فَوْقَ ٱلْأَعْنَاقِ وَٱضْرِبُوا۟ مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿١٢﴾

''جب تیرا رب فرشتوں کو وحی کرتا تھا کہ ''میں تمہارے ساتھ ہوں، پس ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو۔
میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دونگا۔ سو ان کی گردنیں مارو اور ان کے ہر پور پر مارو'' (الانفال۔۱۲)

فَلَمَّا ذَهَبُوا۟ بِهِۦ وَأَجۡمَعُوٓا۟ أَن يَجۡعَلُوهُ فِى غَيَٰبَتِ ٱلۡجُبِّۚ وَأَوۡحَيۡنَآ إِلَيۡهِ
لَتُنَبِّئَنَّهُم بِأَمۡرِهِمۡ هَٰذَا وَهُمۡ لَا يَشۡعُرُونَ ﴿١٥﴾

’’پھر جب وہ اسے لے گئے اور ان کا اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ اسے خشک ویران کنویں میں اتار دیا جائے اور (جب ایسا کر رہے تھے تو)
ہم نے ان (یوسف علیہ السلام) کی طرف وحی کی
’(ایک وقت آئے گا جب) تو انہیں ان کی یہ حرکت یاد دلائے گا جب انہیں اس کا خیال بھی نہ ہو گا‘‘ (یوسف۔۱۵)

قرآن مجید نے بتایا ہے کہ ’’وحی‘‘ خاتون کی جانب بھی بھیجی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو رسالت کے فرائض منصبی تفویض کرنے کیلئے وادی طویٰ میں جب پکارا تو اس وقت انہیں بچپن میں ان پر کیے گئے احسان کے بارے میں بتایا تھا:

وَلَقَدۡ مَنَنَّا عَلَيۡكَ مَرَّةً أُخۡرَىٰٓ ﴿٣٧﴾ إِذۡ أَوۡحَيۡنَآ إِلَىٰٓ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰٓ ﴿٣٨﴾ أَنِ
ٱقۡذِفِيهِ فِى ٱلتَّابُوتِ فَٱقۡذِفِيهِ فِى ٱلۡيَمِّ فَلۡيُلۡقِهِ ٱلۡيَمُّ بِٱلسَّاحِلِ يَأۡخُذۡهُ عَدُوٌّ
لِّى وَعَدُوٌّ لَّهُۥۚ وَأَلۡقَيۡتُ عَلَيۡكَ مَحَبَّةً مِّنِّى وَلِتُصۡنَعَ عَلَىٰ عَيۡنِىٓ ﴿٣٩﴾

’’اور ہم نے ایک دفعہ اور بھی تجھ پر احسان کیا تھا جب ہم نے تیری ماں کو وحی کی۔ جو وحی کی گئی (وہ یہ تھی)‘‘ کہ اسے صندوق میں ڈال، پھر اسے دریا میں ڈال دے کہ دریا اسے کنارے پر ڈال دے، اسے میرا دشمن اور اس کا دشمن پکڑ لے گا‘‘۔ اور میں نے اپنی طرف سے تجھ پر محبت ڈال دی اور اس لئے کہ تو میری آنکھوں کے سامنے تربیت پائے‘‘ (سورۃ طٰہٰ۔۳۷۔۳۹)

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کو جو بتایا گیا تھا اس کی تفصیل سورۃ القصص کی آیت ۔۷۔۸ میں یوں بیان فرمائی:

وَأَوۡحَيۡنَآ إِلَىٰٓ أُمِّ مُوسَىٰٓ أَنۡ أَرۡضِعِيهِۖ فَإِذَا خِفۡتِ عَلَيۡهِ فَأَلۡقِيهِ فِى ٱلۡيَمِّ وَلَا تَخَافِى
وَلَا تَحۡزَنِىٓۖ إِنَّا رَآدُّوهُ إِلَيۡكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ ٱلۡمُرۡسَلِينَ ﴿٧﴾ فَٱلۡتَقَطَهُۥٓ ءَالُ فِرۡعَوۡنَ
لِيَكُونَ لَهُمۡ عَدُوًّا وَحَزَنًاۗ إِنَّ فِرۡعَوۡنَ وَهَٰمَٰنَ وَجُنُودَهُمَا كَانُوا۟ خَٰطِـِٔينَ ﴿٨﴾

’’اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی ماں کو وحی کیا کہ‘‘ اسے دودھ پلاتی رہیں پھر جب آپ اس کی نسبت خطرہ محسوس کریں تو انہیں (صندوق میں ڈال کر) دریا میں ڈال دیں اور ڈر نامت اور نہ غم کھانا ہم اسے آپ کے پاس لوٹا لائیں گے اور انہیں (اپنا) رسول بنائیں گے۔ چنانچہ آل فرعون نے اسے اٹھا لیا تا کہ وہ ان کیلئے دشمنی اور رنج کا باعث ہو۔ بیشک فرعون، ہامان اور ان کے لشکر غلطی پر تھے‘‘

حواریون، ملائکہ، یوسف علیہ السلام کو بچپن میں اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ طفولیت میں ان کی والدہ ماجدہ کو کی گئی ''وحی'' کی نوعیت انفرادی ہے۔ حواریون کو ایک نصیحت، حکم دیا گیا تھا۔ انہوں نے اسے مانا اور تعمیل کی۔ انہوں نے اس ''وحی'' کا ذکر عیسیٰ علیہ السلام سے نہیں کیا تھا۔ بعض ملائکہ کو بھی ایک خاص موقعے پر ایک حکم ''وحی'' کیا گیا تھا۔ یوسف علیہ السلام کو عین اس وقت ''وحی'' کر کے مستقبل میں پیش آنے والی ایک بات کے متعلق بتایا گیا تھا جب ان کے (واجب الاحترام مسلم) برادران انہیں ایک خشک ویران کنویں میں اتار رہے تھے۔ یہ بات حوصلہ اور امید بڑھانے والی تھی۔ اور حوصلہ اور امید صبر انڈیلتے ہیں۔ یہ بات یوسف علیہ السلام کی اپنی ذات کیلئے تھی (personal consumption)۔ انہوں نے اس کا تذکرہ اپنے بھائیوں اور والد صاحب سے بھی نہیں کیا تھا جب سب مصر میں آ گئے تھے۔

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ سے ایسا کام کرنے کا نہیں کہا گیا تھا جو عقل وفہم کے تقاضوں سے بالاتر ہو۔ انہیں لکڑی کے صندوق میں بچے کو ڈال کر اس وقت دریا کی لہروں کے سپرد کرنے کا کہا گیا جب اس کی زندگی کیلئے خطرہ محسوس کریں۔ عقل کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ یقینی بڑے خطرے سے بچنے کیلئے چھوٹا خطرہ مول لے لیا جائے۔ عقل ودانائی کی یہ باتیں اپنی جگہ لیکن ایک ماں کو یہ مشورہ دینا اتنا آسان بھی نہیں کہ اپنے بیٹے کو دریا کی لہروں کے سپرد کر دے۔ سبحان اللہ! ایک ماں کے اطمینان قلب کیلئے اتنا بڑا راز بھی بتا دیا

إِنَّا رَآدُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝

''اور ڈر نا مت اور نہ غم کھانا ہم اسے تیرے پاس لوٹا لائیں گے اور اسے (اپنا) رسول بنائیں گے'' (القصص۔۷)

اللہ رب العزت کی ایک عادت کا قرآنِ مجید سے پتہ چلتا ہے کہ جب اپنے کسی کام کیلئے کسی خاتون کو وہ منتخب فرماتا ہے تو اس کے اطمینان کیلئے اپنے راز بھی اس پر ظاہر کر دیتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ سے ''وَحْيًا'' کئے گئے کلام میں خطرے سے نمٹنے کی ترکیب بتائی گئی تھی، لیکن ایک ماں کے نقطہ نظر سے وہ ترکیب بھی خطرے سے خالی نہ تھی اس لئے ان کے بیٹے کے محفوظ رہنے کا وعدہ بھی دیا گیا اور ان کے دل کو تقویت دینے کیلئے ایک راز بھی بتا دیا گیا کہ ان کے بیٹے کو بعدازاں فرائض رسالت بھی سونپے جانے ہیں۔ یہ ''وحی'' بھی موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی اپنی ذات کیلئے تھی۔ انہوں نے اس راز کو ایک امانت کے طور پر ہمیشہ اپنے سینے میں دفن رکھا اور اپنے بیٹے سے بھی کبھی ذکر نہیں فرمایا کہ انہیں ایک دن رسالت کے فرائض سونپے جائیں گے۔ اگر انہوں نے بتایا ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام کو مصر سے فرار کی ضرورت محسوس نہ ہوتی جب ان کے مکا مارنے سے ایک لڑکا قتل ہو گیا تھا۔

اللہ رب العزت کے مختص بندوں نبیوں اور رسولوں کے علاوہ دوسری ہستیوں کو قرآن مجید کے نزول اور اس سے قبل کے دور میں کی گئی ''وحی'' کے متعلق دی گئی معلومات کو ہم نے پڑھ لیا ہے۔ قرآن مجید میں ایک اور ذی حیات کا ذکر بھی ہے جسے ہمارے رب نے ''وحی'' کی تھی۔ ارشاد فرمایا:

وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى ٱلنَّحْلِ أَنِ ٱتَّخِذِى مِنَ ٱلْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ ٱلشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ﴿٦٨﴾ (النحل-٦٨)

''اور آپ (ﷺ) کے رب نے شہد کی مکھی پر وحی کیا کہ ''پہاڑوں میں گھر بنا اور درختوں اور ان چھتریوں میں جو لوگ بناتے ہیں

ثُمَّ كُلِى مِن كُلِّ ٱلثَّمَرَٰتِ فَٱسْلُكِى سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۚ يَخْرُجُ مِنۢ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَٰنُهُۥ فِيهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ۗ إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَءَايَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٦٩﴾

بعدازاں ہر طرح کے پھلوں میں سے کھا، اور اپنے رب کے مطیع کیے راستوں میں داخل ہو''۔ ان کے پیٹوں سے مختلف رنگوں کا شربت نکلتا ہے جس میں لوگوں کیلئے شفا ہے۔ بیشک اس میں ان لوگوں کیلئے جو غور و فکر کرتے ہیں ایک نشانی ہے'' (النحل-٦٩)

آقائے نامدار رسول کریم ﷺ پر چودہ سو سال قبل نازل ہونے والے قرآنِ مجید کی ان دو آیات میں پانچ باتیں چونکا دینے والی ہیں۔ خطاب شہد کی مادہ مکھی سے ہے اور بقیہ تمام صیغے بھی مئونث ہیں۔ دوسری دلچسپ بات یہ ہے کہ شہد کی مادہ مکھی کو پہلے گھر بنانے اور ثُمَّ یعنی بعدازاں ہر طرح کے پھلوں میں سے کھانے کیلئے کہا گیا۔ تیسری حیران کن بات راستوں میں داخل ہونے کے متعلق ہے۔ یہ حیران کن اس لئے ہے کہ تمام پرندے، مکھیاں اڑتی پھرتی ہیں، شہد کی مکھی میں کیا خاص بات تھی کہ اس کے راستوں میں داخل ہونے کے متعلق بتایا جاتا؟ اور یہ بات کہ مادہ مکھیوں کے بطن میں سے خارج ہونے والا مختلف رنگوں والا مشروب یعنی شہد انسان کیلئے شفا ہے۔ شہد کی مکھیوں کی ہر نسل اور قوم میں حکمران بھی مادہ ملکہ مکھی (Queen Bee) ہوتی ہے اور تمام کام بھی مادہ مکھیاں سرانجام دیتی ہیں۔ نر مکھیاں نکھٹو (drones) کوئی کام سرانجام نہیں دیتے اور مادہ مکھیوں کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں۔ ان کا کام یہ ہے کہ ملکہ مکھی کی خواہش پر اس کے ساتھ اڑیں اور اختلاط کریں۔ اختلاط کرنے والے اس کے فوراً بعد مر جاتے ہیں۔ ملکہ مکھی اور نر مکھی کے اختلاط سے صرف مادہ مکھیاں پیدا ہوتی ہیں جب کہ نر مکھیاں پیدا کرنے کیلئے ملکہ مکھی اور دوسری شہد کی مکھیوں کو نر سے اختلاط نہیں کرنا پڑتا۔ اللہ رب العزت جیسے چاہتا ہے تخلیق کرتا ہے۔ اللہ رب العزت نے نفس واحدہ آدم علیہ السلام میں سے ان کی زوجہ عورت کو وجود دیا تھا اور پھر بن مرد کے چھوئے عفت و حیا کی پیکر سیدہ مریم صدیقہ سے ان کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرما کر حساب برابر کر دیا تھا کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ دوسرے کا وجود اس کا مرہونِ منت ہے۔ سبحان اللہ! اللہ جیسے چاہتا ہے تخلیق فرماتا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام بنی آدم نہیں بلکہ مثلِ آدم ہیں۔

شہد کی مادہ مکھی کو پہلے گھر بنانے اور بعدازاں پھلوں میں سے کھانے کا کہا گیا ہے۔ سبحان اللہ! قرآنِ مجید کی چودہ سو سال قبل بتائی ہوئی بات کو آج ہر کوئی تسلیم کرتا ہے لیکن قرآن مجید کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے کا ظرف صرف عبدِ منیب کا ہے۔ جب شہد کی مکھیوں کے چھتے (Colony) میں ایک نئی کنواری ملکہ (virgin queen) پیدا ہو جاتی ہے تو اس چھتے کی پرانی ملکہ (mother queen) اپنے ساتھ بہت سی مکھیوں کو لے کر اچانک اڑ جاتی ہے۔ پھر وہ ایک نیا چھتہ بنانے کیلئے جگہ تلاش کرتی ہے۔ چھتہ بنایا جاتا ہے اور ملکہ اور اس کے ساتھ پرانے چھتے سے اُڑ کر آنے والی مکھیاں اپنی ایک نئی دنیا آباد کر کے پھلوں سے رزق کی تلاش میں نکلتی ہیں۔ شہد کی مکھیوں کے

اس انداز کو Swarming کا نام دیا گیا ہے۔ پھلوں میں سے کھانے کے بعد فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا۔ عربی زبان کا حرف ''ف'' ترتیب بیان کرنے کیلئے استعمال ہوتا ہے کہ یہ ہوا، پھر یہ ہوا فَاسْلُكِي امر کا صیغہ واحد مؤنث حاضر ہے۔ اس کا مادہ 'س ل ک' ہے اور معنی ہیں ایک چیز کا دوسری چیز کے اندر چلے جانا، داخل ہونا یا داخل کرنا، چلنا یا چلانا۔ شہد کی ایک مکھی کا پھلوں میں سے کھانے کے بعد چھتے کی دوسری مکھیوں کو پھلوں کی موجودگی کے متعلق راستوں کا علم دینے کا انکشاف بیسوی صدی کے اوائل میں ہوا ہے۔ انسان عرصہ دراز سے بیماریوں سے شفا کیلئے شہد کو استعمال کرتا آیا ہے۔ لیکن اہم بات یہ ہے کہ قرآنِ مجید نے تمام انسانوں کیلئے اسے شفا قرار دیا ہے۔ انسان کے جسم میں اکثر بیماریوں کا سبب لیس دار مادوں کی کثرت ہے۔ اور حیات کے جنم لینے کیلئے سڑاند، نمی اور حرارت کی موجودگی لازم ہے، چاہے بکٹیریا ہو چاہے انسان۔ شہد کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ جسم سے لیس دار مادوں، بلغم کو پھاڑ دیتا ہے اور جسم سے انہیں خارج کرتا ہے۔ طب یونانی کے ماہرین بتاتے ہیں کہ شہد کا استعمال انسان کیلئے مفید ہے اگر چہ اس کے استعمال کا انداز ان کیلئے مختلف ہوگا۔

''أَوْحَىٰ'' آسمان اور زمین کیلئے بھی استعمال ہوا ہے۔ ارشاد فرمایا:

فَقَضَىٰهُنَّ سَبْعَ سَمَٰوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَآءٍ أَمْرَهَا ۚ وَزَيَّنَّا
ٱلسَّمَآءَ ٱلدُّنْيَا بِمَصَٰبِيحَ وَحِفْظًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ ٱلْعَزِيزِ ٱلْعَلِيمِ ﴿١٢﴾

''پھر اس نے دو دنوں میں انہیں سات آسمان بنادیئے اور ہر آسمان میں اس کے ذمہ اس کا کام وحی کر دیا۔ اور ہم نے آسمان دنیا کو مصابیح (comets) سے زینت دی ہے اور محفوظ کیا ہے۔ یہ ہے اس غالب اور علم والے کے مقرر کردہ پیمانے، اندازے، قانون' (فصلت۔۱۲)

بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ﴿٥﴾

''کیونکہ تیرے رب نے اس کیلئے یہ وحی کیا ہوگا'' (الزلزلة۔۹۹)

ذی حیات اور غیر حیات کیلئے ''أَوْحَىٰ'' میں فرق یہ ہے کہ ذی حیات پر (إِلَى) وحی کی جاتی ہے لیکن غیر حیات میں (فِي) یا کیلئے (لَهَا) ان کے ذمہ امر (کام) کی وحی کی جاتی ہے۔ وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَآءٍ أَمْرَهَا ۚ ''اور ہر آسمان میں اس کے ذمہ اس کا کام وحی کر دیا'' کے معنی اور مفہوم یوں واضح کر دیئے گئے ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ ٱلْعَزِيزِ ٱلْعَلِيمِ o ''یہ ہے اس غالب اور علم والے کے مقرر کردہ پیمانے، اندازے''۔ اس طرح واضح ہو جاتا ہے کہ کائنات کی ہر مادی شئے ''وحی شدہ'' ہے کیونکہ مادی اشیاء کے اعمال اور افعال نہیں ہوتے بلکہ ان کے ذمہ طے شدہ امور لگا دیئے گئے ہیں اور یہی ان کی تقدیر اور فطرت ہے۔

قرآن مجید نے بتایا کہ قرآن مجید کے نزول اور اس سے قبل کے زمانے میں اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر نازل کردہ وحی اور عام انسانوں، ملائکہ، ذی حیات پر اور اشیاء میں اور ان کیلئے بھیجی جانے والی وحی میں بنیادی اور اہم ترین فرق یہ تھا کہ رسولوں پر نازل کردہ وحی میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے اُس کا کلام اور ہدایت رسول تک پہنچائی جاتی تھی تا کہ رسول اُسے لوگوں تک پہنچائے۔ اس لئے یہ فیصلہ دیا ہوا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے رسول کی بات مانی (اطاعت) اس نے درحقیقت اللہ تعالیٰ کی بات مانی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا رسول وہی بات اُن تک پہنچا رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان پر نازل فرمائی ہے۔ اور یہ حقیقت بھی ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول لوگوں کو وہی بات سناتے ہیں جو انہیں کتاب میں وحی کی جاتی ہے کیونکہ ان کا اپنا ایمان بھی صرف اس وحی پر ہوتا ہے اور دوسروں سے بھی کتاب میں وحی کی گئی پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اور رسولوں کے علاوہ دوسری قسم کی وحی اس ذی حیات اور شئے کے اپنے لئے (انفرادی) ہوتی تھی اور اس بات کو نہ تو دوسرے سے کہہ سکتا تھا اور نہ دوسرے کیلئے حجت اور دلیل تھی۔ اس لئے اگر کوئی اس قسم کی بات کرتا ہے تو وہ اس کی من گھڑت اختراع ہے۔

وَمَنۡ أَظۡلَمُ مِمَّنِ ٱفۡتَرَىٰ عَلَى ٱللَّهِ كَذِبًا

''اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو باتیں خود وضع کر کے اللہ سے منسوب کرتا ہے'' (حوالہ الانعام۔۹۳، ھود۱۸ اور العنکبوت۔۶۸ کی ابتدا)

فَمَنۡ أَظۡلَمُ مِمَّنِ ٱفۡتَرَىٰ عَلَى ٱللَّهِ كَذِبًا ۝

''اس لئے اُس سے بڑا ظالم کون ہے جو باتیں خود وضع کر کے اللہ سے منسوب کرتا ہے'' (حوالہ الکھف۔۱۵)

وَمَنۡ أَظۡلَمُ مِمَّنِ ٱفۡتَرَىٰ عَلَى ٱللَّهِ كَذِبًا أَوۡ كَذَّبَ بِـَٔايَـٰتِهِۦٓ (حوالہ الانعام۔۲۱)

فَمَنۡ أَظۡلَمُ مِمَّنِ ٱفۡتَرَىٰ عَلَى ٱللَّهِ كَذِبًا أَوۡ كَذَّبَ بِـَٔايَـٰتِهِۦٓ (حوالہ الاعراف۔۳۷ اور یونس۔۱۷)

''اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو باتیں خود وضع کر کے اللہ سے منسوب کرے یا اللہ کی آیات کو جھٹلائے؟''

اللہ تعالیٰ کے حوالے سے جھوٹ گھڑنے / تخیل سے باتیں بنانے والوں کے مدعا و مقصد کے متعلق بتایا:

فَمَنۡ أَظۡلَمُ مِمَّنِ ٱفۡتَرَىٰ عَلَى ٱللَّهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ ٱلنَّاسَ بِغَيۡرِ عِلۡمٍۗ

''پھر اس سے بڑا ظالم کون ہے جو باتیں خود وضع کر کے اللہ سے منسوب کرتا ہے کہ بغیر علم کے لوگوں کو گمراہ کردے'' (حوالہ الانعام۔۱۴۴)

باتیں وضع کر کے انہیں اللہ تعالیٰ سے منسوب کرنے والا ظالم ہے۔ اللہ سے باتیں منسوب کرنے کا ایک انداز یہ بھی ہے

أَوۡ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمۡ يُوحَ إِلَيۡهِ شَيۡءٌ

''یا کہتا ہے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے حالانکہ اس کی طرف کچھ بھی وحی نہیں کیا گیا'' (حوالہ الانعام۔۹۳)

اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے علاوہ، جس کسی کے متعلق یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے وحی کی تھی وہ وحی صرف اُن تک محدود تھی

اور انہوں نے اس کے متعلق دوسروں سے نہیں کہا تھا۔ اس لئے قرآن مجید کے نزول کے بعد جو کوئی دوسرے لوگوں سے یہ کہے کہ اس کی طرف وحی کی گئی ہے یا الفاظ کو ملمع کر کے یوں کہے کہ جو باتیں وہ لوگوں کو بتا اور سمجھا رہا ہے انہیں اُس نے وہیں سے حاصل کیا ہے جہاں سے نبیوں کو ملتا تھا تو کیا وہ ظالم اور کاذب نہیں؟ اور اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہے کہ فلاں طرح کے لوگوں کو بھی وحی آتی تھی تو یہ بات کہنے والا بھی جھوٹی بات اختراع کرتا ہے۔ قرآنِ مجید نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو عام لوگوں تک پہنچانے کا فریضہ صرف اور صرف نبیوں اور رسولوں (مبشرین ومنذرین) کو سونپا ہے اور اس پہنچائے جانے والے کلام کیلئے لفظ ''وحی'' صرف نبیوں اور رسولوں کیلئے استعمال فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول کی بات ماننے والے یعنی مومنین، ''اولیاء اللہ''، مجدد، مفسر، صوفی، محقق کسی کو بھی 'وحی' کے ذریعے ایسا کچھ نہیں ملتا جسے دوسرے لوگوں سے وہ بیان / کہہ سکے یا انہیں سمجھا سکے یا اس کی بناء پر انہیں ''نصیحت'' کر سکے۔

اللہ تعالیٰ کے رسول کا انکار کرنے کیلئے بعض لوگوں کا شکوہ، خواہش اور بہانہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں سے کلام کرتا ہے لیکن ہم سے کیوں کلام نہیں کرتا؟ انسان اپنے رویوں میں عجیب ہے۔ انسانی ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں، اصنام کی عبادت کرتے ہیں اور یہ جاننے کے باوجود کہ وہ بولتے نہیں اور نہ بات سنتے ہیں انہیں الٰہ سمجھتے اور قرار دیتے ہیں۔ اور جب انہیں اللہ واحد کی طرف بلایا جاتا ہے تو یہ مطالبہ کرتے ہیں:

وَقَالَ ٱلَّذِينَ لَا يَعۡلَمُونَ لَوۡلَا يُكَلِّمُنَا ٱللَّهُ أَوۡ تَأۡتِينَآ ءَايَةٌ

''اور جو لوگ (مشرکین، کتاب کا) علم نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں ''اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا
یا ہمارے پاس اس کی (کوئی) آیت کیوں نہیں آتی''

كَذَٰلِكَ قَالَ ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِهِم مِّثۡلَ قَوۡلِهِمۡ

ان کے قول کے مثل ان سے قبل والے لوگ بھی یہ بات اسی طرح کہتے رہے ہیں۔

تَشَٰبَهَتۡ قُلُوبُهُمۡ

ان کے قلب بھی اُن ماضی کے لوگوں کے قلوب کے مشابہ (نفسیات اور رویہ ایک) ہیں'' (حوالہ البقرۃ-۱۱۸)

یہ لوگ اللہ کی جانب سے وحی کے طلبگار رہیں

وَإِذَا جَآءَتۡهُمۡ ءَايَةٌ قَالُواْ لَن نُّؤۡمِنَ حَتَّىٰ نُؤۡتَىٰ مِثۡلَ مَآ أُوتِيَ رُسُلُ ٱللَّهِ

''اور جب ان کے پاس (کتاب اللہ کی) آیت آتی ہے تو کہتے ہیں ''ہم ہرگز نہیں مانیں گے
جب تک ہمیں ان کے مثل نہ دیا جائے جیسا اللہ کے رسولوں کو دیا گیا ہے''۔

انہیں متنبہ فرمایا کہ وحی کو دوسروں کو پہنچانے کی ذمہ داری کس کو سونپنی ہے وہ بہتر جانتا ہے

أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُۥ

''اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنے منصب رسالت پر کسے فائز کرے'' (حوالہ الانعام۔۱۲۴)

مشرکین میں سے ان وحی کے طلبگاروں سے بھی بڑا ظالم کوئی ہے؟ ہاں!

أَوْ قَالَ أُوحِىَ إِلَىَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَىْءٌ

''یا وہ جو کہتا ہے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے حالانکہ اس کی طرف کچھ بھی وحی نہیں کیا گیا'' (حوالہ سورۃ الانعام۔۹۳)

اللہ تعالیٰ کی جانب سے اُس کے کلام کو دوسروں تک پہنچانے کیلئے وحی کا نزول صرف اللہ تعالیٰ کے مختص بندوں نبیوں اور رسولوں پر ہوتا ہے اور بعد کے زمان میں دوسرے لوگوں تک صرف کتاب کی صورت میں (بَلِّغْ) پہنچتا ہے۔ اور اُس کتاب کی ہر بات، حدیث، قول شک وشبہ سے بالاتر ہوتا ہے کیونکہ وہ بیان حقیقت ہوتا ہے۔ ذَٰلِكَ ٱلْكِتَٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۛ ''یہ ہے وہ کتاب جسمیں ریب کوئی نہیں'' (حوالہ البقرۃ۔۲)۔

وَإِن كُنتُمْ فِى رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا۟ بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِۦ

''اور اگر تم اس کتاب کے بارے میں کسی شک میں مبتلا ہو جسے ہم نے اپنے بندے (رسول کریم ﷺ) پر وقتاً فوقتاً نازل فرمایا ہے تو (جاؤ) اس کے مثل ایک سورۃ ہی لے آؤ''

وَٱدْعُوا۟ شُهَدَآءَكُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ

''اور اس کام کے لئے سوائے اللہ کے اپنے تمام مددگاروں کو بھی مدعو کرلو'' (حوالہ البقرۃ۔۲۳)

فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا۟ وَلَن تَفْعَلُوا۟ فَٱتَّقُوا۟ ٱلنَّارَ ٱلَّتِى وَقُودُهَا ٱلنَّاسُ وَٱلْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْكَٰفِرِينَ ﴿٢٤﴾

''پھر اگر تم یہ نہ کرسکو اور یقیناً تم نہیں کرسکو گے (کیونکہ کتاب لاریب تو صرف ایک ہے)

تو بچو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر بنیں گے۔ اسے تیار کیا گیا ہے انکار کرنے والوں کیلئے'' (البقرۃ۔۲۴)

اللہ تعالیٰ کے اس اعلان پر ایک پل کیلئے ہم غور وفکر کرلیں تو اندازہ ہوگا کہ اگر (معاذ اللہ) ہم یہ کہیں کہ فلاں فلاں شخص کو بھی اُس ذریعے سے کچھ ملتا ہے، جس سے رسولوں کو ملتا تھا تو ہم درحقیقت یہ کہہ رہے ہیں کہ ان لوگوں کی بات بھی اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آیات کے مثل ہے۔ غور وفکر کے بعد ہم فیصلہ کریں کہ ایسا تصور کرنا اور کہنا کیا اللہ تعالیٰ کے فرمان کی تکذیب میں شمار نہیں ہوگا؟

لیکن آقائے نامدار رسول کریم ﷺ کے سنانے پر انسانوں کا ایک گروہ اسے تسلیم کرنے (اطاعت، ماننے) سے انکار اس بنیاد پر کرتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہیں ہے بلکہ انؐ کی اپنی تصنیف ہے، ان کا اپنا بیان ہے، ان کی ''حدیث'' یعنی اپنی بات ہے

أَمْ يَقُولُونَ ٱفْتَرَىٰهُ

''کیا وہ کہتے ہیں کہ ''اس نے اسے تصنیف کر لیا ہے''

اور آقائے نامدار ﷺ سے لوگوں کو وہی دعوت اور چیلنج دینے کیلئے کہا جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو خطاب کر کے خود بھی دیا تا کہ وہ قول رسول کریم ﷺ بھی بن جائے

قُلْ فَأْتُوا۟ بِسُورَةٍ مِّثْلِهِۦ

''آپ (ﷺ) کہیں ''تو (جاؤ) اس کے مثل ایک سورۃ تم بھی لے آؤ

وَٱدْعُوا۟ مَنِ ٱسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ إِن كُنتُمْ صَـٰدِقِينَ ۝

اور اس کام کیلئے اللہ کے سوا جسے بھی بلا سکتے ہو اسے بلا لو، اگر تم (اپنے اس قول گمان میں) سچے ہو'' (سورۃ یونس۔۳۸)

لیکن زمان میں جھوٹے دعوے اور محض منہ تخیل سے باتیں بنانے والوں کی کبھی کمی نہیں رہی۔ اس لئے ''اور اس سے بڑا ظالم کون ہے'' میں ایسے شخص کو بھی شامل فرمایا

وَمَن قَالَ سَأُنزِلُ مِثْلَ مَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ

(اس سے بڑا ظالم کون) ''اور جس نے کہا کہ میں بھی ویسا ہی بیان کر دونگا جیسا اللہ نے نازل کیا ہے'' (حوالہ الانعام۔۹۳)

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ ءَايَـٰتُنَا قَالُوا۟ قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَـٰذَآ

''اور جب انہیں ہماری آیتیں سنائی گئیں تو انہوں نے کہا ''ہم نے سن لیا ہے۔ اگر ہم چاہیں تو ہم بھی اس کی مانند کہہ دیں

إِنْ هَـٰذَآ إِلَّآ أَسَـٰطِيرُ ٱلْأَوَّلِينَ

کہ یہ تو محض اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں'' (سورۃ الانفال۔۳۱)

کلام اللہ کے اثر کو زائل کرنے کیلئے یہ لوگ اپنے دام فریب میں پھنسے ہوئے لوگوں کے سامنے یہ جھوٹا دعویٰ کرتے تھے۔ یہ محض ان کے منہ کی بات تھی ایسا کر کے دکھاتے نہیں تھے اور اس خیال سے کہ کوئی انہیں دعویٰ پر عمل کر کے دکھانے کا نہ کہہ دے خود ہی یہ بھی پکارتے تھے

وَإِذْ قَالُوا۟ ٱللَّهُمَّ إِن كَانَ هَـٰذَا هُوَ ٱلْحَقَّ مِنْ عِندِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ ٱلسَّمَآءِ أَوِ ٱئْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٢﴾

''اور جب انہوں نے کہا ''اے اللہ! اگر یہ (قرآن مجید جو یہ سنا رہے ہیں) تیری طرف سے بیان حقیقت ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر دردناک عذاب لا'' (الانفال۔۳۲)

وَمَا كَانَ ٱللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنتَ فِيهِمْ ۚ وَمَا كَانَ ٱللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿٣٣﴾

''مگر اللہ نے اسے مناسب نہیں سمجھا کہ انہیں عذاب دیتا جب آپ (ﷺ) ان میں موجود تھے

اور اللہ انہیں عذاب دینے والا نہ تھا جب ان میں وہ لوگ بھی تھے جو بخشش بھی مانگ رہے تھے'' (الانفال۔۳۳)

اللہ تعالیٰ سے رسولوں کو کلام اور علم ملتا ہے اور جو کچھ انہوں نے لوگوں سے بیان کیا ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کردہ ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہوتی ہیں۔ اب اگر کوئی شخص کسی کی باتوں کے متعلق یہ کہے کہ اسے وہیں سے ملی تھیں جہاں سے نبیوں کو ملا تھا تو وہ حقیقت میں ان لوگوں کے متعلق کیا یہ نہیں کہہ رہا ''ہم نے سن لیا ہے۔ اگر ہم چاہیں تو ہم بھی اس کی مانند کہہ دیں''۔ اگر رسولوں اور دوسرے لوگوں کا اُن کی کہی ہوئی باتوں کے حوالے سے ذریعہ ایک تصور کر لیا جائے تو پھر ان دونوں کی کہی ہوئی باتوں کو ایک دوسرے کے مانند سمجھنے سے کیسے انکار کیا جا سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کی اس روش کا بتانے سے پہلے اہل ایمان کو یہ نصیحت کی ہے

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِن تَتَّقُواْ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّـَٔاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ (حوالہ الانفال۔۲۹)

''اے ایمان لانے والو! اگر تم اللہ کا ڈر رکھو گے تو وہ تمہیں ممتاز کرے گا اور تم سے تم تمہاری بدحالیاں دور کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا''

اہل علم و فکر، دانا و بینا، اہل ایمان کی بنیادی پہچان ہی یہ ہے کہ وہ ''فرق'' کو دیکھتے ہیں اور اسی بناء پر ''فُرْقَانًا'' ممتاز ہوں گے۔ عربی زبان کے مادہ ''ف ر ق'' کے بنیادی معنی سر کی مانگ ہیں جس سے دونوں طرف کے بال الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادے کے بنیادی معنی ایک چیز کو دوسری چیز سے جدا کرنا اور الگ کر دینا ہیں۔ علیحدہ ہونا، جدا کرنا، فیصلہ کرنا، بات کو واضح طور پر الگ الگ کر کے بیان کرنا۔ سر کی مانگ ممتاز ہے، کسوٹی ہے۔ مانگ کے دائیں طرف کے بال کو کوئی بائیں طرف کا بال قرار نہیں دے سکتا اور بائیں طرف کے بال کو دائیں طرف کا اور جو ایسا کرے گا اندھا، ضدی، ہٹ دھرم، جاہل، گنوار کہلائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی جانب سے اُس کے کلام کو دوسروں تک پہنچانے کیلئے وحی کا نزول صرف اللہ تعالیٰ کے مختص بندوں نبیوں اور رسولوں پر ہوتا ہے اور بعد کے زمان میں دوسرے لوگوں تک صرف کتاب کی صورت میں (بَلَّغَ) پہنچتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی دوسرا انداز قابل اعتماد نہیں کیونکہ ''قول'' کو تلفظ کیا جاتا ہے یعنی پھینکا جاتا ہے، ڈال دیا جاتا ہے اور اسے اٹھانا، دل و دماغ میں لے جانا دوسرے انسانوں کا اپنا فعل ہے۔ قول کسی حدیث کو بیان کرتا ہے اور اس کا انداز سینے سے نکال کر زبان اور ہونٹوں کے ذریعے اسے ہوا میں پھینک دینا ہوتا ہے۔ زبان اور ہونٹوں سے نکلے ہوئے قول کی حیثیت، سند (credibility,authenticity) اور اعتبار کرنے اور اسے ماننے کے حوالے سے پیمانہ کیا ہے؟

أَمْ لَكُمْ كِتَٰبٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ ﴿٣٧﴾

''کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے۔ جس میں تم پڑھتے ہو؟''

اور خارج از کتاب بات کے متعلق فرمایا

سَلْهُمْ أَيُّهُم بِذَٰلِكَ زَعِيمٌ ﴿٤٠﴾

''ان سے پوچھو کہ ان میں سے کون اس بات کا ضامن بنتا ہے؟'' (القلم۔۳۷،۴۰)

خارج از کتاب بات (حدیث رقول) کیلئے کوئی ضامن بننے کو تیار نہیں ہوتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے لوگوں سے یہی فرمایا کہ وہ ان کی اطاعت کریں، ان کی اُس بات کو مانیں جو انہیں کتاب میں سے وحی کی گئی ہے۔

مَّن يُطِعِ ٱلرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ ٱللَّهَ ۖ وَمَن تَوَلَّىٰ فَمَآ أَرْسَلْنَٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ﴿٨٠﴾

''جس نے رسول (کریم ﷺ) کی ''اطاعت'' کی تو اس نے یقیناً اللہ کی ''اطاعت'' کی۔

اور جس نے منہ پھیر لیا تو بہر حال ہم نے آپ (ﷺ) کو ان لوگوں پر بطور نگہبان تو بھیجا نہیں'' (النساء۔۸۰)

وَلَوْ شَآءَ ٱللَّهُ مَآ أَشْرَكُوا۟ ۗ وَمَا جَعَلْنَٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۖ وَمَآ أَنتَ عَلَيْهِم بِوَكِيلٍ ﴿١٠٧﴾

'اور اگر اللہ روکنا چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے مگر ہم نے آپ (ﷺ) کو ان پر نگہبان نہیں بنایا اور نہ آپ ان کے ذمہ دار ہیں' (الانعام۔۱۰۷)

إِنَّآ أَنزَلْنَا عَلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ لِلنَّاسِ بِٱلْحَقِّ ۖ فَمَنِ ٱهْتَدَىٰ فَلِنَفْسِهِۦ ۖ
وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۖ وَمَآ أَنتَ عَلَيْهِم بِوَكِيلٍ ﴿٤١﴾

''ہم نے آپ (ﷺ) پر لوگوں کیلئے کتاب کو نازل فرمایا ہے سچائی اور حقیقت (اپنے غیر محدود علم) کے ساتھ۔ اس لئے اب جو (اس میں بتائی گئی صحیح) راہ پر چلا سو اپنی ذات ہی کیلئے چلے گا۔ اور جس نے گمراہی اختیار کی وہ صرف اپنے خلاف ہی بھٹکے گا۔

اور آپ (ﷺ) ان پر نگران اور ذمہ دار نہیں'' (الزمر۔۴۱)

وَٱلَّذِينَ ٱتَّخَذُوا۟ مِن دُونِهِۦٓ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهُ حَفِيظٌ عَلَيْهِمْ وَمَآ أَنتَ عَلَيْهِم بِوَكِيلٍ ﴿٦﴾

''اور جن لوگوں نے اس کے علاوہ اولیاء اختیار کر رکھے ہیں اللہ ان کا نگران ہے، مگر آپ (ﷺ) ان کے ذمہ دار نہیں ہیں'' (الشوریٰ ۶)

فَإِنْ أَعْرَضُوا۟ فَمَآ أَرْسَلْنَٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۖ

(اپنے رب کی بات کا جواب دو، تسلیم کرو) ''پھر اگر وہ کنارہ کر جاتے ہیں تو ہم نے آپ (ﷺ) کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا۔

إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا ٱلْبَلَٰغُ ۗ آپ کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے'' (حوالہ الشوریٰ۔۴۸)

اللہ تعالیٰ نے آقائے نامدار، رسول کریم ﷺ سے فرمایا کہ ان کی ذمہ داری (بوجھ) لوگوں تک کتاب کو (بذریعہ قول وتحریر) پہنچانا ہے اور لوگوں کے جواب اور ردِعمل اور روش کو دیکھنے کیلئے بطور نگہبان (حَفِيظًا) اور وکیل یعنی نگران، ذمہ دار نہیں ہیں۔ اور آقائے نامدار ﷺ نے اپنے سامنے موجود لوگوں اور تمام انسانیت کو اپنے متعلق یوں واشگاف الفاظ میں واضح کر دیا ہوا ہے:

وَكَذَّبَ بِهِۦ قَوۡمُكَ وَهُوَ ٱلۡحَقُّۚ قُل لَّسۡتُ عَلَيۡكُم بِوَكِيلٖ ﴿٦٦﴾

"مگر آپ (ﷺ) کی قوم نے اسے جھٹلا دیا ہے حالانکہ وہ بیانِ حقیقت ہے۔ آپ کہہ دیں "میں تمہارا ذمہ دار (وکیل) نہیں۔

لِّكُلِّ نَبَإٖ مُّسۡتَقَرّٞۚ وَسَوۡفَ تَعۡلَمُونَ ﴿٦٧﴾

ہر خبر (کے وقوع پذیر ہونے) کا ایک وقت ہے اور تم جلدی جان لوگے" (الانعام-٦٦-٦٧)

قَدۡ جَآءَكُم بَصَآئِرُ مِن رَّبِّكُمۡۖ فَمَنۡ أَبۡصَرَ فَلِنَفۡسِهِۦۖ وَمَنۡ عَمِيَ فَعَلَيۡهَاۚ

(آپ ﷺ فرمائیں) "بیشک تمہارے رب کی طرف سے آنکھیں کھول دینے والا (قرآنِ مجید) آ گیا ہے،

اب جو دیکھتا ہے وہ اس کے اپنے لئے ہے اور جو اندھا رہا اس کا وبال اسی پر ہوگا

وَمَآ أَنَا۠ عَلَيۡكُم بِحَفِيظٖ ٥

اور میں تمہارا کچھ نگہبان نہیں" (الانعام-١٠٤)

قُلۡ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدۡ جَآءَكُمُ ٱلۡحَقُّ مِن رَّبِّكُمۡۖ فَمَنِ ٱهۡتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهۡتَدِي
لِنَفۡسِهِۦۖ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيۡهَاۖ وَمَآ أَنَا۠ عَلَيۡكُم بِوَكِيلٖ ﴿١٠٨﴾

آپ (ﷺ) کہہ دیں "اے لوگو! تمہارے رب کی جانب سے بیانِ حقیقت آ گیا ہے، اب جو راہ پر چلا تو وہ اپنے لئے چلے گا،
اور جو بھٹک گیا تو وہ اپنے خلاف ہی بھٹکے گا اور میں تمہارا کچھ ذمہ دار (وکیل) نہیں" (یونس-١٠٨)

آقائے نامدار ﷺ نے لوگوں کی اس خواہش اور مطالبے کو کسی قسم کی بھی لگی لپٹے رکھے بغیر رد کر دیا تھا کہ قرآنِ مجید کے علاوہ آپ ﷺ اپنی جانب سے کوئی بات، حدیث، قول انہیں سنائیں اور بتائیں۔ یہ وہ لوگ تھے جو قرآنِ مجید کا انکار کرتے تھے۔ اور آقائے نامدار ﷺ اور قرآنِ مجید پر ایمان لانے والوں کو اللہ تعالیٰ کے رسولِ کریم سے قرآنِ مجید کے علاوہ حدیثیں سننے کا کیا شوق تھا؟ اِدھر اُدھر کی باتیں سننے اور سنانے کی جسے خواہش ہو اس کیلئے نہ صرف خود اپنے پاس فالتو وقت ہونا چاہئے بلکہ اس کیلئے بھی فالتو وقت درکار ہوتا ہے جس سے باتیں سننے اور سنانے کی خواہش ہے۔ اور اس خواہش کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا بہترین وقت اُس وقت میسر آتا ہے جب وہ شخص کھانے پر مدعو کر لے جس سے کوئی بات، حدیث سننے یا اسے سنانے کی آرزو ہو۔ آقائے نامدار ﷺ اور قرآنِ مجید پر ایمان لے آنے والوں کو دوٹوک الفاظ میں یہ ہدایت دی گئی تھی

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَدۡخُلُواْ بُيُوتَ ٱلنَّبِيِّ إِلَّآ أَن يُؤۡذَنَ لَكُمۡ إِلَىٰ
طَعَامٍ غَيۡرَ نَـٰظِرِينَ إِنَىٰهُ وَلَـٰكِنۡ إِذَا دُعِيتُمۡ فَٱدۡخُلُواْ

''اے ایمان لانے والو! نبی کے گھروں میں داخل مت ہو سوائے اُس وقت جب تمہیں دعوت طعام دی جائے، لیکن اس وقت نہیں کہ تم کھانا پکنے کا انتظار کرو بلکہ اس وقت (کھانا تیار ہو جانے پر) جب تمہیں بلایا جائے تو اس وقت گھروں میں داخل ہو۔

فَإِذَا طَعِمۡتُمۡ فَٱنتَشِرُواْ وَلَا مُسۡتَـٔۡنِسِينَ لِحَدِيثٍۚ إِنَّ ذَٰلِكُمۡ كَانَ يُؤۡذِي ٱلنَّبِيَّ
فَيَسۡتَحۡيِۦ مِنكُمۡۖ وَٱللَّهُ لَا يَسۡتَحۡيِۦ مِنَ ٱلۡحَقِّۚ

پھر جب تم کھا پی چکو تو اپنے گھروں کی راہ لو اور حدیث معلوم کرنے کیلئے وہاں بیٹھے نہ رہو۔ یہ بات نبی کو دکھ دیتی ہے اور وہ تم سے (چلے جانے کا کہتے ہوئے) شرماتا ہے، مگر اللہ حق (بات کہنے) سے نہیں شرماتا'' (حوالہ الاحزاب۔۵۳)

وَمَا كَانَ لَكُمۡ أَن تُؤۡذُواْ رَسُولَ ٱللَّهِ

''اور تمہارے لئے روا نہیں کہ (یہ روش اختیار کر کے) اللہ کے رسول کو دکھ دو'' (حوالہ الاحزاب۔۵۳)

''نَاظِرِينَ'' اسم فاعل جمع مذکر مجرور نکرہ، انتظار کرنے والے، اور ان کے ''غَيۡرَ'' وہ لوگ ہوتے ہیں جو وقت سے پہلے آ کر انتظار کرنے والے نہیں ہوتے، وقت پر آنے والے شخص کو انتظار نہیں کرنا پڑتا۔ إِنَىٰهُ کا مادہ 'ا ن ی' ہے اور معنی کسی بات کا وقت ہو جانا، تکمیل کو پہنچ جانا۔ آقائے نامدار ﷺ کے گھر پر دعوت طعام کیلئے بلائے جانے والے اہل ایمان کو منع کیا گیا کہ وقت طعام سے قبل نہ آئیں کہ کھانا پکنے کے انتظار میں کچھ وقت وہاں گزار لیں بلکہ اُس مقررہ وقت پر داخل ہوں جس وقت آنے کی انہیں دعوت دی گئی ہے۔

''اِنۡتَشِرُواْ'' امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر، ''تم مدعوین الگ الگ ہو جاؤ، منتشر ہو جاؤ، اپنے اپنے گھروں، کاموں پر چلے جاؤ''۔ اہل ایمان سے کہا کہ آقائے نامدار ﷺ کے گھروں میں دی گئی دعوت پر طعام نوش کرنے کے بعد اُن کے گھر سے چلے جائیں۔ طعام نوش کر لینے کے بعد مہمان میزبان کے گھر پر کیوں ٹھہرے رہتے ہیں؟ جن لوگوں کو میزبان سے کوئی بات، حدیث پوچھنے کی خواہش ہوتی ہے وہ طعام نوش کر لینے کے بعد وہیں رکے رہتے ہیں۔ آپ ﷺ سے محبت کرنے والوں اور دعوت پر بلائے گئے معزز مہمانوں کو آپ ﷺ کے گھر سے منتشر ہونے کی نصیحت کیوں دی؟ وَلَا مُسۡتَـٔۡنِسِينَ لِحَدِيثٍۚ ''اور کسی حدیث کیلئے وہاں بیٹھے نہ رہو''۔

''مُسۡتَـٔۡنِسِينَ'' اسم فاعل جمع مذکر منصوب، دلچسپی کے ساتھ بیٹھ رہنے والے۔ کس مقصد کیلئے لوگ دلچسپی سے بیٹھ رہنے والے بنتے تھے؟

''لِحَدِيثٍ''۔ عربی حرف ''لِ'' یہ معنی پیدا کرتا ہے ''فائدہ حاصل کرنے کیلئے، سبب ظاہر کرنے کیلئے (تاکہ) نفی کی تاکید کیلئے''۔

''حَدِيثٍ'' واحد ہے جمع احادیث۔ آقائے نامدار ﷺ کی جانب سے دعوت طعام پر بلائے گئے اہل ایمان مہمانوں سے اللہ تعالیٰ نے کہا کہ وہ طعام نوش کرنے کے بعد آقائے نامدار ﷺ سے کسی حدیث کو لینے کی خاطر وہاں بیٹھے نہ رہیں بلکہ فوراً منتشر ہو جائیں۔

آقائے نامدار ﷺ کے گھروں پر دعوت طعام کیلئے بلائے جانے والے اہل ایمان میں سے مہمان کون لوگ تھے؟ یہ وہ لوگ تھے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فیصلہ سنا دیا ہوا ہے کہ اُن کے بعد اُن جیسا کوئی نہیں ہوگا۔ یہ بات اپنی عقیدت کے زیر اثر نہیں کہی اگرچہ آقائے نامدار ﷺ کے جان نثاروں کے پاؤں کی دھول بنا میرے لئے باعث صد افتخار ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ ٱلْفَتْحِ وَقَـٰتَلَ ۚ أُو۟لَـٰٓئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً
مِّنَ ٱلَّذِينَ أَنفَقُوا۟ مِنۢ بَعْدُ وَقَـٰتَلُوا۟ ۚ وَكُلًّا وَعَدَ ٱللَّهُ ٱلْحُسْنَىٰ ۚ

''تم لوگوں میں سے کوئی ایک بھی اُن کے برابر، اُن جیسا نہیں ہوسکتا جس نے فتح سے پہلے مال خرچ کیا اور جنگ کی۔ اُن کا درجہ و مقام ان سے بہت بڑا ہے جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور جنگ کی۔ اور اللہ نے سب سے اچھا وعدہ کیا ہے'' (حوالہ الحدید۔۱۰)

''مِنكُمْ''۔''مِن''''حرف جر''۔''كُمْ''''ضمیر جمع مذکر مخاطب مجرور معنی''''تم لوگوں میں سے''۔

''مِنكُمْ'' میں روز قیامت تک ہر وہ انسان شامل ہے جس تک قرآن مجید پہنچا۔ فیصلہ کرنا ہمارا اپنا کام ہے کہ اس آیت مبارکہ کے نزول کے بعد ان صحابہ کرام جیسا دنیا کا کوئی انسان نہیں ہوسکتا تو ان سے بڑھ کر کسی درجے اور مقام پر اسے فائز کیسے سمجھا جاسکتا ہے؟ عقل جس کا بنیادی کام فرق کا تعین کرنا ہے اگر استعمال کی جائے اور تفکر کیا جائے تو تخیل سے بنائے گئے بڑے بڑے ''برج'' یکلخت زمین بوس ہوجاتے ہیں۔ قرآن مجید کی موجودگی میں آقائے نامدار ﷺ کے جان نثاروں کے درجے اور مقام تک کوئی انسان نہیں پہنچ سکتا تو پھر قرآن مجید کو تسلیم کرنے کا اگر کوئی شخص دعویٰ کرے اور دوسرے سانس میں براہ راست یا لفظوں کے ہیر پھیر سے نبوت کا دعویٰ بھی کرے تو اس شخص کو کیا ہم کاذب کے علاوہ کچھ اور مان سکتے ہیں؟

آقائے نامدار ﷺ کے گھر پر بلائے گئے مہمانوں سے کہا گیا، جن میں سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عمر بن خطاب، سیدنا عثمان، سیدنا علی ابن ابی طالب جیسی ایسی عظیم ہستیاں بھی شامل ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا اپنا اعلان ہے ''ان سے اللہ راضی ہوا اور اللہ سے وہ راضی ہوئے'' (حوالہ التوبہ۔۱۰۰) کہ وہ طعام نوش کرنے کے بعد آقائے نامدار ﷺ کے گھر پر حدیث کی خاطر بیٹھے نہ رہیں بلکہ منتشر ہو جائیں۔ آقائے نامدار ﷺ سے براہ راست حدیث لینے کی خاطر ان کے گھر رکنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ وجہ؟

إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي ٱلنَّبِيَّ ''یہ بات نبی کو دکھ دیتی ہے''۔ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَن تُؤْذُوا۟ رَسُولَ ٱللَّهِ ''اور تمہارے لئے روا نہیں کہ (یہ روش اختیار کر کے) اللہ کے رسول کو دکھ دو'' (حوالہ الاحزاب۔۵۳)۔ یہاں کچھ دیر رک کر ہمیں غور و فکر کر لینا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے رسول کریم کو دکھ دینے والوں کو تو ایسی حیات نہیں ملے گی جس کی خواہش کبھی ماند نہ پڑے۔ بلکہ فیصلہ یہ ہے

إِنَّ ٱلَّذِينَ يُؤْذُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ لَعَنَهُمُ ٱللَّهُ فِى ٱلدُّنْيَا وَٱلْـَٔاخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿٥٧﴾ (الاحزاب۔۵۷)

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو دکھ دیتے ہیں اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے اور ان کیلئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے''

اور آقائے نامدار ﷺ نے اپنے زمان اور بعد کے زمان کے لوگوں کیلئے کھلم کھلے الفاظ میں واضح کر دیا کہ راہ پر وہی ہوگا جو کوئی قرآنِ مجید کے مطابق چلے گا اور جو اس سے بھٹک گیا تو اس کیلئے ذمہ دار بھی خود ہوگا کیونکہ آپ ﷺ لوگوں پر محافظ، نگہبان اور وکیل یعنی ذمہ دار نہیں ہیں۔ آپ ﷺ پر ایک ہی بوجھ تھا، ایک ذمہ داری تھی، قرآنِ مجید کو پہنچانا اور آپ ﷺ اس ذمہ داری سے احسن ترین انداز میں سبکدوش ہو چکے ہیں۔

وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ ٱلَّذِى نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ

''اور اگر ہم آپ (ﷺ) کو وہ دکھا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے یا آپ کو الگ کر لیں (وفات)'' (حوالہ یونس۔۴۶)

آپ ﷺ کو لوگوں کے بیچ میں سے لے جانے، لوگوں سے الگ کر لینے کے بعد کیا ہوگا؟

ثُمَّ ٱللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ ۝

''بعد ازاں اللہ اس کا گواہ ہوگا جو فعل وہ کرتے ہیں'' (حوالہ یونس۔۴۶)

فَإِنَّمَا عَلَيْكَ ٱلْبَلَٰغُ وَعَلَيْنَا ٱلْحِسَابُ ۝

''(آپ ﷺ کو الگ کر لینے سے کیا فرق پڑے گا) اس لئے کہ آپ (ﷺ) کے ذمہ تو (قرآنِ مجید) پہنچا دینا ہے

(اور وہ آپ نے پہنچا دیا ہے) اور حساب لینا ہمارے ذمہ ہے'' (حوالہ الرعد۔۴۰)

آقائے نامدار ﷺ سے جو کوئی بھی قرآنِ مجید سے ماوراء کوئی بات، حدیث، قول منسوب کرتا ہے تو آپ ﷺ اس کے ذمہ دار نہیں۔ نازل کردہ کتاب سے باہر کی باتوں کیلئے آقائے نامدار ﷺ سمیت کوئی بھی ذمہ داری قبول نہیں کرتا

أَمْ لَكُمْ كِتَٰبٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ ۝٣٧

''کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم پڑھتے ہو؟''

اور خارج از کتاب بات کے متعلق فرمایا

سَلْهُمْ أَيُّهُم بِذَٰلِكَ زَعِيمٌ ۝٤٠

''اُن سے پوچھو کہ ان میں سے کون اس بات کا ضامن بنتا ہے؟'' (القلم۔۳۷، ۴۰)

اور آقائے نامدار ﷺ نے سینہ بہ سینہ زمانے میں آگے آنے والی لوگوں کی منہ زبانی بات/حدیث کو پرکھنے کا معیار یہ مقرر فرمایا ہے

ٱئْتُونِى بِكِتَٰبٍ مِّن قَبْلِ هَٰذَآ أَوْ أَثَٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ۝

''میرے پاس اس (قرآنِ مجید) سے قبل کی کتاب لاؤ یا علم کا کوئی نشان لاؤ اگر تم سچے ہو'' (سورۃ الاحقاف۔۴)

اللہ تعالیٰ اور آقائے نامدار ﷺ کے فرمان کے مطابق سچائی کے پیمانے صرف دو ہیں نازل کردہ کتاب میں درج بات اور آثارِ علم۔